

# کلیاتِ اقبال اُردو

اقبال

کلیاتِ اقبال

# کلیاتِ اقبال (اردو) خصوصی ایڈیشن

بجملہ حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

پروفیسر شہرست بخاری

ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۱۹۹۰ء مطابق ۱۱-۱۲-۱۳۱۰ھ

۳۵۰۰

۲۶۰ روپے

استقلال پریس، لاہور

ناشر

سال اشاعت

تعداد

قیمت

منبع

کلیاتِ اقبال  
ب

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

الفقه المجمع

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب  
گنبدِ آبلینہ ز ملک تیرے محیط میں حساب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ  
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب !  
شکستِ سحر و سحریم تیرے جلال کی سرور !  
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری ناز کا امام  
میرا قیام بھی محراب میرا سجود بھی حجاب !  
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے  
عقلِ غیاب جوستجو عشقِ حضورِ افلاک !

۲۰  
میرا نام



مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منظور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت نجاری

مجلس مشاورت :

رشیہ حسن خان، ڈاکٹر وحید قرشی، ڈاکٹر خواجہ مستند لریا،

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی،

محمد الہام چغتائی، محمد سیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر وحید عشرت

تصنیع متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصنیع کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قرشی تنویر قسم

ترئین و آرائش : ذوالفقار احمد

زیرِ ہستم : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض  
مقامات خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و  
روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بیسی خیر ازاں مردِ فردوست  
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

اقبالؔ

# غزاجِ عقیدت

کلیاتِ اقبال

”شعرا اقوام میں بان پس را کرتے ہیں۔ ملٹن،  
 شکسپیئر، بائرن، غمیسٹرن نے قوم کی بے بہا خدمت کر  
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیئر کو عظمت کا ذکر کرتے ہوئے  
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیئر اور  
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے  
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیئر کو  
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت  
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور  
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی  
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظمؒ

۸  
کلیاتِ اقبال

ح



”اقبال کے لئے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے  
 ادیب بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت  
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان  
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے  
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال  
 سے بہت سے اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس  
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک  
 سپاہیوں کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع  
 ملے چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار  
 رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے  
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکمسن)

”ہندوستان میں حرکتِ تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سرسند اقبال کی  
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سرطاس آرٹس آرگنڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان  
میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صوفی تھے  
اور اُن کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال  
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”درودِ معنی نگہاں حضرت اقبالؒ  
پیغمبرِ تہیہ کرو پیغمبرِ تنواں گفت“

(مولانا غلام قادر گرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“  
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)



”محمّد اقبالؑ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؑ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیٹے گرفت اقبالؑ رسید  
بیدلاں را نوبت حلے رسید  
قرن حاضر حاصتہ اقبالؑ گشت  
واحدے کو صد ہزاراں برگزشت  
این سلائے می فرستم سوتے یار  
بے ریاترا از نسیم نوبستار

(عالم الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؑ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے  
پیام سے تمام نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں  
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء  
کی پرکھ لی جائے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ  
ہوگا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری  
مراد مستند اقبال سے ہے۔“

(سرہربت ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے  
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے  
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں  
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا  
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نیکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طہ احسن برصہ)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے نمونہ شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراچان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی عمر کی روح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں حشدِ کائنات بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست نمونہ اسلامی، متحدہ ملت اور اسلامی اُمتِ کلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُستدل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(راپندر ناتھ ٹیکور، بھارت)

”اگر حلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے حلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر جس کا نام اُنزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ ٹیکور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر اس لیے کہ ٹیکور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر تو بل پر اُتر نہ حاصل کر لائے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، سنہ ۱۹۲۰ء)

# ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

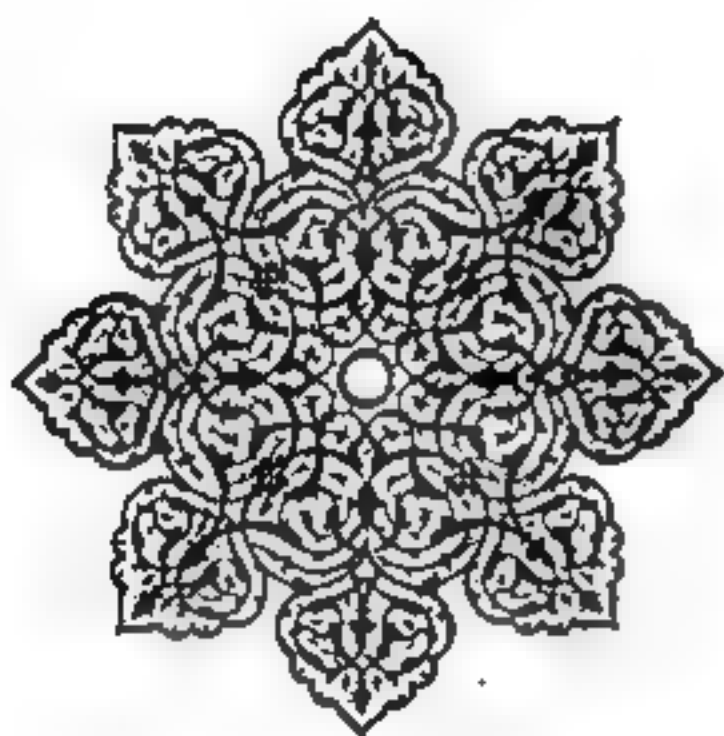
بالِ حبسِ ریل

۵۰۱

ضربِ کلیم

۶۹۳

امرستانِ حجاز (اُردو)



۱۶  
کلیات اقبال  
ع



# بانگِ درا

اقبال

۱۶. ۱۴

۱۷. فصل

۱۸. بحرین

۱۹. بحرین

۲۰. ۱۱

۲۱. بحرین

۲۲. بحرین

۲۳. بحرین

۲۴. بحرین

۲۵. بحرین

۲۶. بحرین

۲۷. بحرین

۲۸. بحرین

۲۹. بحرین

۳۰. بحرین

۳۱. بحرین

۳۲. بحرین

۳۳. بحرین

۳۴. بحرین

۳۵. بحرین

۳۶. بحرین

۳۷. بحرین

۳۸. بحرین

۳۹. بحرین

۴۰. بحرین

۴۱. بحرین

۴۲. بحرین

۴۳. بحرین

۴۴. بحرین

۴۵. بحرین

۴۶. بحرین

۴۷. بحرین

۴۸. بحرین

۴۹. بحرین

۵۰. بحرین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

مسالہ

گل زندیں

عہد طفلی

مرزا غالب

ابر کو ہمار

ایک مکڑا اور مکھی

ایک پہاڑ اور کلہری

۱

۲

۳

۴

۵

۶

۷

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگانِ خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	افتاب (ترجمہ کاہنری)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	افتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۲۲	گل پر مژدہ
۲۳	سید کی لوح تربیت
۲۴	ماہ نو
۲۵	انسان اور بزم قدرت
۲۶	پیام صبح
۲۷	عشق اور موت
۲۸	زہد اور زندگی
۲۹	شاعر
۳۰	دل
۳۱	سویج دریا
۳۲	فخصت اے بزم جہاں !
۳۳	طفل شیرخوار
۳۴	تصویر درد
۳۵	ناله فراق

۸۳/۴۷

۸۴/۴۸

۸۵/۴۹

۸۶/۵۰

۸۸/۵۲

۸۹/۵۳

۹۱/۵۵

۹۳/۵۷

۹۳/۵۷

۹۴/۵۸

۹۵/۵۹

۹۷/۸۱

۹۸/۸۲

۱۰۴/۸۸

۳۶	چاند
۳۷	بلال
۳۸	سرگزشت آدم
۳۹	ترانہ ہندی
۴۰	جنگنو
۴۱	صبح کا ستارہ
۴۲	ہندوستانی بچوں کا قومی کیت
۴۳	نیا شوالا
۴۴	داغ
۴۵	آبر
۴۶	ایک پرندہ اور جنگنو
۴۷	بچہ اور شمع
۴۸	کنار راوی
۴۹	التجائے مسافر

۱۰۵/۸۹

۱۰۶/۹۰

۱۰۸/۹۲

۱۰۹/۹۳

۱۱۰/۹۴

۱۱۲/۹۶

۱۱۳/۹۷

۱۱۴/۹۸

۱۱۵/۹۹

۱۱۷/۱۰۱

۱۱۸/۱۰۲

۱۱۹/۱۰۳

۱۲۱/۱۰۵

۱۲۲/۱۰۶



# غزلیات

- ۱ گلزار ہست و بود نہ بیگمانہ وار دیکھ
- ۲ نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
- ۳ حجب و اعط کی دیں داری ہے یار سب!
- ۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے اشیانے کے لیے
- ۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
- ۶ انوکھی وضع ہے مسکے زمانے سے نزلے ہیں
- ۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
- ۸ کہوں کیا آرزو ہے بے دل مجھ کو کہاں تک ہے
- ۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
- ۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
- ۱۱ کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
- ۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے خافل ہوں میں
- ۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۶/۱۱۰

۱۲۷/۱۱۱

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۹/۱۱۳

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۲/۱۱۶

۱۳۳/۱۱۷

## حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	آخر صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶	..... کی خود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

۲۲  
بادشاہی دربار

۱۲	سلیبی
۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۴	کوششِ نامتام
۱۵	نوائے غم
۱۶	عشرتِ امروز
۱۷	انسان
۱۸	جلوۂ حسن
۱۹	ایک شام
۲۰	تنہائی
۲۱	پیامِ عشق
۲۲	فراق
۲۳	عبدالغفار کے نام
۲۴	صقلیت

۱۴۷/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۴

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

## غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی بسکا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے کا جب مے دل سے عشرائے گلے کا نغٹو کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۳/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزمِ جہاں! دلکش تھے ہنکارتے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار جو کا ۱۶۶/۱۵۰

## جھنڈہ سوم

(۱۹۰۸ء سے.....)

- ۱ بلا و اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

۴	گورستان شاہی	۱۷۲/۱۵۸
۵	نمود صبح	۱۸۰/۱۶۴
۶	تضمین بر شعر انیسویں سالو	۱۸۱/۱۶۵
۷	فائدہ عنہم	۱۸۲/۱۶۶
۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر	۱۸۵/۱۶۹
۹	ترانہ بقی	۱۸۶/۱۷۰
۱۰	وطنیت	۱۸۷/۱۷۱
۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں	۱۸۸/۱۷۲
۱۲	قطعہ (مل ایک شہیدہ خواب کا نبی پر رونے کو رہا تھا)	۱۸۹/۱۷۳
۱۳	شکوہ	۱۹۰/۱۷۴
۱۴	چسانہ	۱۹۹/۱۸۳
۱۵	رات اور شاعر	۲۰۰/۱۸۴
۱۶	بزم انجم	۲۰۱/۱۸۵
۱۷	سیر فلک	۲۰۳/۱۸۷

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موثر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	غزوة شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۶	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساقی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱



۲۳۹/۲۲۳	۳۲	شاعر
۲۴۰/۲۲۴	۳۳	نوید صبح
۲۴۱/۲۲۵	۳۴	دعا
۲۴۲/۲۲۶	۳۵	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں
۲۴۳/۲۲۷	۳۶	فاطمہ بنت عبد اللہ
۲۴۴/۲۲۸	۳۷	شبہم اور ستارے
۲۴۵/۲۲۹	۳۸	محاصرہ اور نہ
۲۴۶/۲۳۰	۳۹	غلام فتادریہ
۲۴۷/۲۳۱	۴۰	ایک مکالمہ
۲۴۸/۲۳۲	۴۱	میں اور تو
۲۴۹/۲۳۳	۴۲	تضمین بر شعر ابوطالب حکیم
۲۵۰/۲۳۴	۴۳	شبلی و حسانی
۲۵۱/۲۳۵	۴۴	ارتقا
۲۵۲/۲۳۶	۴۵	صدقہ

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	نفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	مسلمان اور تعلیم جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

۲۷۷/۲۴۱	۶۰	مذہب
۲۷۷/۲۴۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۴۲	۶۲	شب معراج
۲۷۸/۲۴۲	۶۳	نُحول
۲۷۹/۲۴۳	۶۴	شکیبہ پیر
۲۸۰/۲۴۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۴۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۴۵	۶۷	دریوزہ حلافت
۲۸۲/۲۴۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۴۷	۶۹	خضرِ سراہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوعِ اسلام

## غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے بادِ صبا! کئی واسے سے جا کیو پیغام مرا
---------	---	---

۳۱  
باقی ہے  
۱۵

- ۲ یہ سرود قمری و سبل فریب گوش ہے ۳۱۲/۲۹۴
- ۳ نالہ ہے سبل شوریدہ ترا حنّام ابھی ۳۱۲/۲۹۴
- ۴ پر وہ چہرے سے اٹھا، انجسب آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر باد و بسا آئی اقبال غزل خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آلباس مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہ دام بھی غزل آشنایہ طائران چس تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانی اسباب ہے ۳۱۲/۲۹۸

## ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مندا ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیم سنہ ربی ہے بہت جرات آفریں ۳۱۶/۳۰۰

- ۶ کچھ قسم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ ۳۱۶/۳۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۷/۳۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اشکا ہے ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذنب نکل گیا ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خوگوشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۳ نواواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳۰۴
- ۱۹ گائے اک روز چوتی اونٹ سے یوں کرم سخن ۳۲۰/۳۰۴

۳۲۱/۳.۵	۲۰	راست پتھر نے کہہ دیا مجھ سے
۳۲۲/۳.۶	۲۱	یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر
۳۲۲/۳.۶	۲۲	جان جاتے ہاتھ سے جاتے نہ ست
۳۲۲/۳.۶	۲۳	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
۳۲۲/۳.۶	۲۴	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رنبر لم یزل
۳۲۳/۳.۷	۲۵	شکر ارتھی مزارع و مالک میں ایک روز
۳۲۳/۳.۷	۲۶	اٹھ کر پینک وہ باہر گلی میں
۳۲۴/۳.۸	۲۷	کارخانے کا ہے مالک غروبِ ناکر وہ کار
۳۲۴/۳.۸	۲۸	سنسپے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
۳۲۴/۳.۸	۲۹	مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

۳۲۲  
ہاتھ سے دیا  
۱۸



# دیاچہ

شیخ عبد العزیز اور پیر سٹریٹ لاسابق مدیر مخزن

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور زلال انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر میٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسے زچہ کر شاعری کے چین کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال نام پایا۔



جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبول دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال سند بیٹا سند وستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالم لیڈ شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہ وقت و ذوق اسے سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطیف حرفِ دوا ہے کہ نام کا نام ہے اور تختہ کا تختہ، ان کی ڈاکٹری اور سہری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علامتہ سلف کی یادگار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علوم مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کورنٹ سے خطاب شمس العلماء بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب اساتذہ طبعیت میں علم ادب  
 سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے  
 کی۔ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے  
 لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت نہ ہو لیا تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا  
 چرچا کم و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں  
 ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔  
 شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مرزا خاں صاحب دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظم و مثنوی  
 کے استاد چنے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھتی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے  
 تھے، خط و کتابت کے ذریعے دوسری سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔  
 غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے  
 زمانے میں جب ڈال کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اب  
 اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ ملتے رہتے تھے اور  
 انھیں اس کام کے لیے ایک عہدہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں  
 خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان و ادبیات  
 کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوتی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ  
 سے فن غزل میں یتیم سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ  
 تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دہلوی نے انھیں کئی کئی  
 کے ایک اور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل کو نہیں۔ انھوں نے جسد  
 کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ ملتہ کا بہت پر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و ذنوں طرف رہ گئی۔ آغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا  
 ہے کہ اقبال کے دل میں آغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے  
 آغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ آغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے  
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود  
 وکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔  
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال  
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک  
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفے کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص  
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرناس آرنلڈ ہولتے ہیں اور  
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ ثبوت تحریر ان کی بہت اچھی  
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا  
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ  
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست  
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے تحت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں  
 یہاں ایک اور جہت بل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی  
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شش شاگرد کو  
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک  
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر  
 لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں واقع کے غالبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری  
مرحلے آئلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوتے۔

اقبال کو اپنی علمی مست ازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے  
سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیسیرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی  
قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکر کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے  
اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرار خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی  
لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی ذہن  
میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، اکبر مرحوم،  
سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال  
کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے  
نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال  
نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آئینہ نے  
کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۷ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور  
کے ایک مشاعرے میں دیکھا۔ اس بنم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کیسینج کرے  
آئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لول  
اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی منزل تھی۔ ساوہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔  
مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد  
دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک



جو نہاد شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض سے  
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی  
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ  
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر  
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی  
 چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب  
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر  
 شیخ صاحب یہ غدر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور  
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو متھوڑا ہی حصہ گزارا تھا کہ میں نے ادب اردو  
 کی ترقی کے لیے رسالہ مخزن جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال  
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے  
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ  
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی  
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی  
 اور دیجیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس پوشی کی لیونکہ انھیں یہ خیال تھا  
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے  
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور مخزن کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۵ء  
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پیدائشی طور پر آغاز ہوا اور  
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت لے گئے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

مخزن کے ہر سر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی  
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور  
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام  
 سے محفوظ کریں شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر لورنٹ کالج میں پروفیسر  
 ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زوہوں پر تھی شعر  
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر  
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوئسل کاغذ لے کر  
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم  
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ بہتا معلوم  
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت وقت کی عسوماناں پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُرلی  
 آواز میں ترتیم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ  
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ  
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے  
 حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں  
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے  
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ بسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہار لی ایک اور خصوصیت  
 یہ ہے کہ بایں ہر موزونی طبع وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم  
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب  
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمانشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فہرست وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ طر بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے یہ اصرار کیا کہ وہ نظم ترنم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طر ترنم سے بھی جلسے اقصا میں ایسا سا بند حال سکوت کا عالم مچا لیا اور لوگ جمع ہونے لگے۔ اس نے دو نتیجے دیے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا شکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے اس شش کے سبب عام بھی کچھ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور تھا ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُنس نے مانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور



اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ  
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت  
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے  
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں  
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ملک کے مصیب ملک کے امراض کا  
 علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب  
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔  
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب  
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ  
 آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور یہ فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو  
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور  
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تفسیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا اہل  
 کا تو یوں حسرتہ ہوا کہ وہ سرِ تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک  
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا  
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں اپنی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی  
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو  
 کتب بینی کی جو اس کو بھی ضرور اس تفسیر خرق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں  
 ان کا مطالعہ حکیم فلسفہ کے متعلق ہوا ہو گا لیا اور مستحق خیالات کے اظہار کو جس چاہا  
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے  
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے  
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی بہت ادھوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست  
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ  
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور  
 شعر کبھی کہنے کے فارسی کہنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے  
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ  
 شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو وہ تازہ غزلیں فارسی میں  
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی  
 کی قوت کا حال مسلم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے  
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کونسی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی  
 طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو شاندار کے بعد سے شروع ہوا اور جو  
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی  
 عدم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی شاعری اسرار خودی  
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قریب  
 اترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام  
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،  
 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہوتی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال  
 کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہوتے ہوں گے مگر انہیں  
 یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا  
 میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس  
 میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ  
 اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل متدرب مصنف کا حال معلوم ہوا۔ پیام شرق میں  
 ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب  
 کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی  
 سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے  
 آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں  
 ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص  
 خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے طعق ہونے کے مستحق ہیں اور  
 جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔  
 فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں  
 دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے  
 سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ لویا یہ معلوم ہوتا ہے  
 کہ اشہب تسلیم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے  
 ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا لیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ  
 خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اردو کلام کا مجموعہ شائع  
 کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر  
 ہے کہ آخر اب شائقین کلام اردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اردو نظمیں کا  
 مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانو سے صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر تقسیم ہے۔  
 حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی  
 اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اردو کلام ہے۔ یہ مجموعے سے کہا جا  
 سکتا ہے کہ اردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات  
 کی پینہ روانی ہو اور اس قدر مطالب معانی کیجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے  
 چارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض  
 نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون  
 لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی  
 تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر  
 جو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سیر و سیاحت میں صاحبان ذوق کو مبارک یاد دیتا  
 ہوں کہ اردو کلیات اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلمہ ستوں کے اوراق پر شیا  
 سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت  
 سے اس کلام کو بیجا دیکھنے کے مشتاق تھے، وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے  
 دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

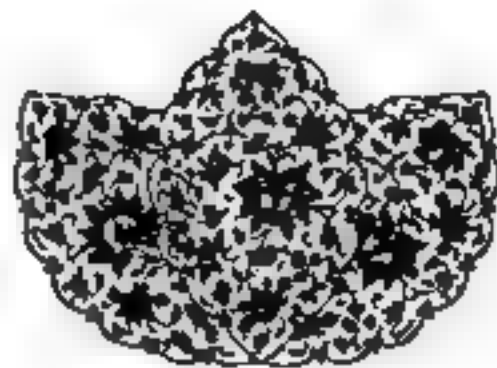
آخر میں اردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جتنہ دیکھیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودااتی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جہت سے اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خیرہ سمجھیں۔





ان بن

نعت الحبيب مسمی -

ان کو راز جو نبیا - راز اگر گمانا سے چھپا  
بے تاب حق آگیا - کھنڈ سر محمدؐ کی کا  
جنت اعز و انتہا ہے  
آئینہ گو گل لعد کیا ہے

عے رسم خرام موج دریا - دیباگوئے مکر حاد بجا  
بلادل کو ہوا روار رہی - شان سلیمان لدا ہے  
تار مشیر لب قدیر - نندازن نگار ملک ماہر  
نہیں نہد عابد بحر خزا - لکھو دلہام بر خزا  
نزد بیابان دلہا - بندگی سخن ہا  
نہیں وہیں نہیں نہ سرشت ہے لوزی  
نہیں وہیں نہیں نہ سرشت ہے لوزی  
نہیں وہیں نہیں نہ سرشت ہے لوزی  
نہیں وہیں نہیں نہ سرشت ہے لوزی

۲۸

باقی ہے در

۳۲

# حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)



یارب دل سیم کو کہ زنتی غماز - جو قلب کو گمراہ جو ریح کو تڑپا دے  
 پھر و لوتی نازک برزخ کو چکا - جو فوق تماش و چو ذوق قشما دے  
 حرم تماش کو چو دیباہ بناس - ویکار جو کچھ پیے اوروں کو ویران دے  
 کجا ہزارا جو پورے حرم ہاں - ہر شریک فخر کو چو دست خوار دے  
 ہر مردہ غفلت مہر قلب پرش کو - و دروغ حقیقت جو ہاں خوار دے  
 ہر اداں و دریاں جو کدنی کدنی - ہر صفت کی کو چو ہاں پر پیدا دے  
~~ہر شریک حقیقت کو کدنی کدنی - ہر دریاں جو کدنی کدنی دے~~  
 یہ صفت صلیح ہوں کہ کدنی کدنی - تانہ زہر صلیح صلیح کو کدنی دے  
 رشتہ شمع صمد کو کدنی کدنی - جھوڑی صلیح صلیح کو کدنی دے  
 یہ کدنی کدنی کدنی کدنی - نیو صلیح صلیح کو کدنی دے  
 چار کدنی کدنی کدنی کدنی - اور کدنی کدنی کدنی دے  
~~کدنی کدنی کدنی کدنی - اور کدنی کدنی کدنی دے~~  
 کدنی کدنی کدنی کدنی - واز کدنی کدنی کدنی دے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کراساں  
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینا دوزی کے تال ٹو جاں ہے کرشن شام دوسرے دریاں

ایک جلوہ تھا کلیم نور سینا کے لیے  
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

اتحانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستا ہے تو پاساں اپنا ہے تو دیوار ہندوستان ہے تو  
مطلعِ اول فلک جس کا چوہہ دیواں ہے تو ستے خدوت کا دل دہن شیرِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہ ن ہے جو کلاہِ سرِ عالم تاب پر

تیری عمر فرست کی اک آن ہے عہدِ سن  
واویوں میں ہیں تیری گالی لکھتا نہیں سن  
چو شیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن  
تو نہیں پراور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں سوار ہوا کے واسطے  
تازیانہ دے دیا برقی سر کھسار نے  
اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی ہے  
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے

ہاتے کیا فراطرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشیں موجِ نسیم سج کھوار رہی  
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی  
یوں زباں برل سے گویا ہے اس کی خاموشی  
دستِ گلچیں کی جھلک نہیں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے تیری سراز کوہ سے قاتی ہوئی  
کوثرِ نسیم کی موجوں کو شرتی ہوئی  
آئینہ سا شاہِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی  
سنبھلے گا بچہ پستی کاہ نہ کرتی ہوئی

چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو

اے سنا سنا دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یسی شب کھولتی ہے آکے جب زلفِ سا      وہیں دل کھینچتی ہے ہر آواز کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو خدا      وہ درختوں پر کندہ کاسماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہا پر

عوشنا لگتا ہے عین زہ تے رخسار پر

اے ہمالہ داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا      مسکن آیتے انساں جب بنا وہن ترا

کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا      داغ جس پر غارِ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں لکھا ہے اے تصویرِ پھر وہ صبحِ شام تو

دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

## گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ مشکل نہیں      اے گلِ زندیں تے پہلو میں شاید دل نہیں

زیب محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں      یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں کجے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو

اور سیری زندگی بے لہذا آرزو

تو زینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں

آہ ایہ دست جنا جو لے گل زندیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ بجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں

کام مجھ کو دیدہ چمکتے الجھیروں سے کیا

دیدہ بے ل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو ستوب ہے

میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طوب ہے نہیں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے تو ہے

منظمتن ہے تو پریشاں مثل بورتا ہوں میں

زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حیات نہ ہو یہ جگر سوزی سپہ راغِ خازنِ حکمت نہ ہو

ناتوانی ہی مری سراپا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو

یہ تلاشِ متصل شمع جہاں فروز ہے

توسن اور اک انسان کو خرام آئو ہے

## عہد طفلی

تھے دیدارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے      وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے  
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے      حرفِ بے مطلبِ تھی جو میری جاں میرے لیے  
دردِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا ہے     

شورشِ نجیرِ در میں لطفِ آتا تھا ہے

تکتے رہنا ہائے باوہ پیرِ تنکِ سوتِ قمر      وہ چٹھے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر  
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر      اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر

انکھِ وقفِ دید تھی لبِ نائلِ نثار تھا

دل نہ تھا میرا سراسرِ پاؤںِ وقِ ہفتا تھا

## مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا      سپرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا  
تھا سراپاِ روحِ ثورِ بزمِ سخنِ پیکرِ ترا      زنجیرِ بے پناہِ بے پناہ بھی ہوا

وید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فروغ پر نیل سے ہے قدرت کی بہا تیری شبِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و دہا

زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ سریر میں

تاب کو یابی جے جنبش ہے لبِ نصیر میں

نطق کو سونا ہر تیرے لبِ محباز پر محو حیرت ہے ثریا فستِ پراز پر

شاہِ مضمون قصہِ سدا ہے تیرے انداز پر خندِ زن چرخِ پستہ دلی گل شیراز پر

آہِ اٹو اٹو جری ہوئی دلی میں آہِ بند ہے

گوشنِ دیر تیرے سیرِ انجمِ آہِ بند ہے

لطفِ کو یابی میں سیرِ ہر مری مکن نہیں چوختیل کا زبنتِ مک فکر کا ملِ ہمیش

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر میں آہِ اے لطفِ آہِ آموز نگاہِ مستہ میں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر کوئٹے اس جگہ دفن ہے



گیسوئے اردو ابھی منت پذیر نہا ہے

شمع یہ سودا کی دسویں پروا ہے

اے جہان آباد اے گوارہ عیلم نہر ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در

فترے فترے میں ترغے ابیدہ ہیں شمس و قمر یوں تو پوشیدہ ہیں خالک میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر نہ رکھتا ایسا بھی ہے

تجھ میں پس کوئی موتی اب ایسا بھی ہے

## ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلک بوس شیریں ابر کو ہسار ہوں گل پاش ہے امن میرا

کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکھ میرا شہر ویرانہ مرا بحر مرا بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کو ہے منجھ سے کچھ سونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے رکھا یارے افشاں ہونا ناقہ شاہدِ رحمت کا حُدی خوان ہونا

عنم دوائے دل افسردہ دہشتاں ہونا رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے کیونچ ہستی پہ بھرجاتا ہوں

شانہ موجبہ صہر سے سنو جاتا ہوں

دور سے یق آید کہ ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جسم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا سب کی پھٹاتا ہوں

سبزہ مزع فوخیہ نر کی تہی ہڈی میں

زاق بھڑن بڑوہ خورشید میں

چشمہ کوہ کوہی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس مہترقم میں نے

سر پہ سب کے کھٹے ہوئے کھاٹم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہر شبستانوں کے

جھوٹے امین کسار میں بہت انوں کے



# ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا  
لیکن مری کشیا کی نہ جاگی کسی قسمت  
غیروں سے شیطیے تو کوئی بات نہیں ہے  
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری  
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی  
اس حال میں مکھی کہی آنے کی نہیں ہے  
جو آپ کی سیر می یہ چڑھا پھر نہیں اُترا  
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا  
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا  
ٹھہرو جو کے گھر میں تو ہے اس میں بُرا لیا

اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں  
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کنیڑیا  
 لٹکے چوتے دروازوں پر باریک ہیں پردے  
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا  
 مہمانوں کے آرام کو خاص رہیں بچپونے  
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا  
 مکتی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن  
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بچپونوں سے خدا مجھ کو بچائے

سو جائے لوتی ان یہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا

کڑے نے کہا دل میں سنی بات جو اُس کی  
 پھانسیوں کے کس طرح یہ کم بخت ہے دانا  
 سو کا غم شائے نکلتے ہیں جہاں میں  
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کہ ہے بنا  
 یہ سوچ کے مکتی سے کہا اُس نے بڑی بنا  
 اللہ نے بختا ہے بڑا آپ کو رتبا  
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوت سے محبت  
 جو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا  
 آنکھیں ہیں کہ ہرے کی چمکتی ہوئی کنیاں  
 سر آپ کا اللہ نے کلنی سے سجایا  
 یہ سن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی  
 مکتی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی  
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں میں  
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو لوتی لٹکا  
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا لٹی رزے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے گھر بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

## ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس غرور کیا کہنا عیقل اور یہ سمجھ بے شعور کیا کہنا

خدا کی شان ہے ہر ناچیز چیز بن مٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن مٹھیں

ترمی بساط ہے کیا سیری شان کے لے لے زمیں ہے پست مری آن بان کے لے لے

جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہا

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہا

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ڈرا یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ڈرا

جو مین بڑی نہتیں سیری طرح تو کیا پروا  
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا  
ہر ایک چیز سے پیدا خدائی قدر سے  
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت سے  
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے  
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے  
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں اتجھ میں  
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں  
جو تو بڑا ہے تو مجھ سے بڑا نہ ہو لکھا مجھ کو  
چھپا لیا ہے ذرا تو بڑا لکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز بڑی کوئی زمانے میں  
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاغذ میں

## ایک کا تے اور بلبری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک چہرہ الہ ہری بھری تھی کہیں  
تھی سہرا پاہر جس کی زمیں  
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں  
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں  
تھے اناروں کے بے شمار درخت  
اور پھیل کے یہ دار و درخت

۶۲  
ماگے در  
۴۶



ٹھنڈی ٹھنڈی سوائیں آتی تھیں  
 کسی ندی کے پاس اک بدمی  
 جب ٹھنڈ کر اوجھڑا دیکھا  
 پہلے جھپک کر اسے سلام کیا  
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں  
 کٹ رہی ہے بڑی مہلی اپنی  
 جان پر آبِ نیلے کیسے  
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں  
 زورِ حلیت نہیں عنبر یوں کا  
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے  
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے  
 ہستکٹنڈوں سے غلام کرتا ہے  
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں  
 بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدائیں آتی تھیں  
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی  
 پاس اک گائے کو گھڑے پایا  
 پھر سلیقے سے یوں کلام کیا  
 گاتے بولی کہ خیر اچھے ہیں  
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی  
 اپنی قسمت بُنی ہے کیا کہیے  
 رو رہی ہوں بڑوں کی جان میں  
 پیش آیا بلکا نصیبوں کا  
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے  
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے  
 کہن سنریوں سے رام کرتا ہے  
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں  
 میرے اقدار ہی دہاتی ہے

سن کے بکری یہ ماجرہ اسارا  
 بات سچی ہے بے مزالکتی  
 یہ چیرالہ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا  
 اسی خوشیاں ہیں نصیب  
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں  
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی  
 سوطرح کا بنوں میں ہے کھٹکا  
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا  
 قدر آرام کی اگر سبھو  
 گائے سن کر یہ بات شرمائی  
 دل میں پرکھا بھلا برا اُس نے  
 بولی، ایسا گد نہیں اچھپ  
 میں کہوں کی مگر خدا لگتی  
 یہ ہری گھاس اور یہ سایا  
 یہ کہاں بے زبان غریب  
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں  
 قید ہم کو جس کی کہ ازادی  
 واں کی گزراں ہے بچائے خدا  
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا  
 آدمی کا کبھی گد نہ کرو  
 آدمی کے گلے سے پھٹائی  
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی  
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



# بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تفت میری  
زندگی شمع کی صورت ہو نہ ایا میری  
دُور دُنیایا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے

ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے  
ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت  
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب  
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب  
ہو مرا کام عنریہوں کی حمایت کرنا  
درد مندوں کے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو  
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی  
(ماخوذ از ولیم کوپر)  
بچوں کے لیے

ٹہنی پہ کسی شخص کی تنہا  
کہتا تھا کہ رات سر پہ آتی  
پہنچوں کس طرح اشیان تک  
سُن کر ٹہیل کی آہ و زاری  
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے  
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری  
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل  
ٹہیل تھا کوئی ادا اس مٹیا  
اڑنے چکنے میں دن گزارا  
ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا  
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا  
کیسٹرا ہوں کوچہ میں فوراً سا  
میں راہ میں روشنی کروں گا  
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے  
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

# ماں کا خواب

(ماخوذ)

## بچوں کے لیے

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب  
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں  
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال  
جو کچھ حسد پاکے آگے بڑھی  
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے  
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے  
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر  
وہ پیچھے تھا اور میں چلتا نہ تھا  
کہا میں نے نہ چپان کر میری جان!  
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار

بڑھا اور جس سے مرا اضطراب  
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں  
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال  
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی  
دیے گئے ہاتھوں میں جلتے ہوئے  
خدا جانے جانا تھا ان لوگوں کو  
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر  
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا  
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہیں؟  
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ما

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی  
 جو تجھے نے دیکھا مرا بیچ و تاب دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب  
 رلاتی ہے تجھ کو بدلتی مری نہیں اس میں کچھ بھی بدلتی مری  
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا دیا پھر دکھ کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے نبھایا اسے!

پرندے کی فریاد  
 بچوں کے لیے

اتم ہے یاد مجھ کو گزرا سوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا  
 آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی اپنی خوشی سے انا اپنی خوشی سے جانا  
 گنتی ہے چوٹ دل پر اتم ہے یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا ٹسکرانا  
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی موت آباد جس کے دم سے تھا میرا اشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہائی لے کاش میرے بس میں!



کیا نصیب چن میں کھر کو ترس رہا ہوں      ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں چٹا ہوں  
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی سنس رہی ہیں      میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو دہا ہوں  
 اس قید کا الہی اڑکھڑا کے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں عن نسیم سے مرزہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے      دل غم کو کھارہا ہے غم دل کو کھارہا ہے  
 گانا ہے سجدہ کر خوشیوں نہ سننے والے      دکھے ہوئے دلوں کی فانی یاد یہ صد ہے  
 آزاد مجھ کو کروے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر ڈالے

## خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ روتے شام      شانہ ہستی ہے بکھر اٹھا کیسوتے شام  
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے      محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے  
 کر رہا ہے آسماں جاؤ لبِ گفتار پر      ساحرِ شب کی نظر ہے دید قیدار پر  
 غوطہ زن دریائے حساسوشی میں موج ہوا      ہاں طراک دور سے آتی ہے آوازِ دراز

دل کہ ہے بے تابی الفت میں دنیا سے نفو  
کھینچ لایا ہے مجھے سنگِ کارِ عالم سے زور

منظرِ حرام کی تماشائی ہوں میں

ہم نشینِ جنتِ کانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

تعمدِ بے تابی دلِ بیٹھ جانے دے مجھے  
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟  
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خاںہ امر و نہی کے کوئی؟  
اور پیکارِ عتصاف کا تماشہ ہے کوئی؟

اوسمیٰ اس بھی حصہِ غم میں ہے محسوس کیا؟  
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جیل مرثیہ سوزِ شمع پر پڑا نہ کیا؟  
اُس چین میں بھی گلِ نعلِ بے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسند سے نکل جاتا ہے دل  
شعر کی لہری سے کیا اس بھی پھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں  
اُس گھٹاں میں بھی کیا ایسے نکمے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے  
روح کیا اُس سیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہے وہاں بھی ہے خرمن بھی ہے؟  
قلعے والے بھی ہیں اندیشہ سبز بھی ہے؟

تکے چنتے ہیں وہاں بھی آشریاں کے واسطے؟  
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کمال کے واسطے؟

واں بھی انساں اپنی اہلیت سے بیکار نہ ہیں کیا؟  
امیازِ ملت و امیں کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا منیر پوئیل چہرچہ تانہیں؟

اس جہاں کی طرح اس بھی بڑا دل ہوتا نہیں؟

بانغ ہے فردوس یا اک نسل آراں ہے؟  
کیا جہنم مصیبت نری کی اک ترکیب ہے؟  
کیا عرصہ رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟  
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟  
دیدے تے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟  
جستجو میں ہے ہاں بھی روح کو آرام کیا؟  
اوا کہ شور بھی تار کی سے کیا مٹور ہے؟  
یا زرخ بے پردہ حسن ازل کا نام ہے؟  
آگ کے شعلوں میں نہاں مقصدِ دید ہے؟  
سوت کھتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟  
علم انساں اُس لایت میں بھی کیا محدود ہے؟  
لکن ترانی کہہ رہے ہیں وہاں کے طو بھی؟  
واں بھی انساں ہے قسطنطنیہ وق استغمام کیا؟  
یا محبت کی تحبلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گداں میں ہے

سوت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

## شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع اپنا رکیوں  
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشا رکیوں

سیاب وار کھتی ہے تیری ادا سے  
 کرتا ہے یہ طواف تری جدو جہاد کا  
 ازاد موت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟  
 غم نہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو  
 آداب عشق تو نے سلجھائے ہیں کیا سے؟  
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟  
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟  
 اس نفستہ دل کا نخل مست ہر آنہ ہو  
 ننھے سے دل میں لذت سوز و لذائذ ہے  
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشا تے روشنی  
 کیڑا ذرا سا اور تماشا تے روشنی

## عقل و دل

عقل نے ایک دن یل سے کہا  
 ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا  
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں  
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں  
 مثل خضر خجستہ پا ہوں میں  
 منظر شان کبریا ہوں میں  
 کام دنیا میں رہبری ہے مرا  
 ہوں مغتر کتاپ پستی کی

بوندِ اک خون کی ہے تُو لیکن  
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے  
 رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے  
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے  
 علمِ تجھ سے تو معرفتِ مجھ سے  
 علم کی انتہا ہے بے تابی  
 شمع تُو محفلِ صداقت کی  
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بیا  
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں  
 پر مجھے بھی تو دیکھ لیا ہوں میں  
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں  
 اور باطن سے آشنا ہوں میں  
 تُو حندِ اجو حندِ انما ہوں میں  
 اس مرض کی طرہِ دوا ہوں میں  
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں  
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندِ می پہ ہے ہمتِ امِ مرا  
 عرشِ تبِ حبیل کا ہوں میں

## صدائے درد

جل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے  
 سر میں اپنی قیامت کی نفاقِ انگیز ہے  
 ہاں بُوے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے  
 وصلِ کیسا یاں تو اک قُربِ فراقِ انگیز ہے

بے یک رنگی کے یہ آشنائی ہے غضب ایک خیر من کے دانوں میں خدائی ہے غضب  
جس کھوپوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں اس سین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سستی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حجبہٗ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

وانہ خرمینِ سدا ہے شمعِ معجزیاں ہونہ خرمین ہی تو اس دانے کی سستی کھپاں  
حسن ہو کیا خودِ ماجب کوئی مائل ہی ہے شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی ہے  
ذوق کو یابیِ حسہٗ شہی سے بے تار کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب زباں کھولی ہماری لثتِ گفتار نے

چھوٹا ٹالا جب چرخِ آتشِ سکار نے

## آفتاب

( ترجمہ گایتری )

اے آفتابِ روح و روانِ جہاں ہے تُو شیرازہٗ بندِ فستہٗ کون ساں ہے تُو  
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمنِ بہتِ بود کا

۷۲  
باقی ہے در  
۵۸



قائم یہ غصروں کا تاشا تجھی سے ہے  
 ہر شے کو تیری جدہ گری سے شبات ہے  
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے  
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے  
 ہے محفل وجود کا سماں طہراز تو  
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں  
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو  
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری  
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے  
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے  
 دل ہے خود ہے روح رواں ہے شعور ہے  
 چشم خرو کو اپنی تحبلی سے نور دے  
 یزدان ساکن ان نشیب و فراز تو  
 تیری نمود سدا کو ہمار میں  
 زائیدگان نور کا ہے تاجدار تو  
 از اذقیہ ازل و آخر ضیاء تری

شمع

بزم جہاں میں میں بھیجیں شمع اورد مند  
 دی عشق نے حرارت سوز و زور سے تجھے  
 فریاد در گدہ صفت دانہ سپند  
 اور گل فروش اشک شفق کوں کیا مجھے  
 ہر شمع بزم شمس کہ شمع مزار تو  
 ہر حال اشک غم سے ہی پہلدار تو  
 یک بین تری نطفہ صفت عاشقان راز  
 میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز

کعبے میں سبکے میں کیساں تری ضیا میں استیاز ویر جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دو سیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

جلتی ہے ٹوکہ برق تجلی سے نور ہے بے درو تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوز دروں نظر نہیں

نہیں جو شر اضطرار کے سیلاب میں بھی اکا دکھ اضطرار میں بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بنے ناز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار خوابید اس شر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیاز رفت و پستی اسی سے گل میں مہک شرب میں تھی اسی سے

بستان و بیل و گل و فوج ہے یہ آگہی

اصل کشاکش میں تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو حسن و بستان عشق آواز گون ہوئی تپش آموز جان عشق

یہ حکم تھا کہ گلشن گون کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خواب بستان ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو کی  
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا  
 شامِ سحرِ صبح تھی میری نو کی  
 قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں  
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا  
 غربت کے غم کے کو وطن جانتا ہوں میں  
 یادِ وطن فسرِ دلِ بے سبب بنی  
 شوقِ نطنز کہیں کہیں ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ  
 مضمونِ فراق کا ہوں ثریا نشان میں  
 مسجودِ ساکنِ ان فلک کا مال دیکھ  
 باندِ حلاجے جو اُس نے تو چاہی میری نو  
 اہنگِ طبعِ ہنسِ کم و مکانِ ہوں میں  
 گوہرِ کشتِ خاک میں رہنا پسند ہے  
 تھر تھر کر دیا سرِ یوانِ ہست بود  
 بندش اگرچہ ہے مضمونِ طلب ہے  
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے  
 عالمِ ظہورِ جلوتِ ذوقِ شعور ہے  
 یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے  
 اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں  
 منزلِ کاشتِ تیاق ہے کم کردہ اہ ہوں  
 باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ  
 صیادِ آپِ صفتِ ترومِ ترم بھی آپ  
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں  
 میں حسنِ چوں کہ عشقِ سراپا لہاز ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راہزن کہیں  
پھر چھڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

## ایک آرزو

دنیا کی محلوں سے اکتا گیا ہوں یارب!      کیا نطف انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو  
شورش سجائے ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا      ایسا سکوت جس پر تیرے ہی منہ ہو  
مرتا ہوں خاشی پڑیہ آرزو ہے میری      دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا ہو  
ازاد فکر سے ہوں غزلت میں ن گزارا      دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو  
لذت سرزد کی چو پٹریوں کے چھپوٹ میں      چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو  
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا      ساعت درسا کو یا مجھ کو جہاں نہا ہو  
جو ہاتھ کا سر حانا سبز سے کا ہو بچھونا      شربت جس سے جلوت خلوت میں وہاں ہو  
مانوس اس قدر ہو صوت سے میری بیل      نتھنے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مرا ہو  
صف باندھے نون جانب بوٹے سر پہ ہو      ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو  
ہو دل فریب ایسا کسار کا نطراہ      پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دھکتا ہو

آنکھیں میں میں کی سو یا تو اسو سبز  
 پانی کو چھو رہی تھی جبکے جل کی  
 مہندی لگائے سو جب شام کی دھن کو  
 راتوں کو چنے والے چلتیں تھکے جسم  
 بجلی چمک کے اُن کو کشیا مری لکھائے  
 پھیلے پہر کی کوتل وہ صبح کی توڑن  
 کانوں پہ چونہ میسے دیر جسم کا احسا  
 پھولوں کو اسے جسم شبنم وضو کرنے  
 اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے  
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا  
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا  
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب  
 آئینہ اُن کی میسرانوں کا ہوا دیا  
 جب آسمان پہ ہر سو بادل بھرا ہوا  
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا  
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا  
 رونا مارا وضو ہو، نالہ مری دعا  
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا

ہر درمند دل کو رونا مارا دلادے  
 بے ہوش جو پٹے ہیں یادِ انجین گادے



# اقتباس

شورشِ خانہ انساں سے بالاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلک جس سے وہ غسر ہے تو  
ہو ذرِ کوششِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس پہ پائے افقِ نازاں ہو وہ یور ہے تو

صفحہ ایام سے دایعِ مداوِ شبِ مٹا

آسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کلبِ مٹا

حسنِ تیرا جب ابامِ فلک سے جلوہ گر آگے سے اُٹتا ہے یک دم غمِ اب کی مے کا ش

نور سے سور ہو جاتا ہے دایانِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیا تیری مگر

دُھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلو اچاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھو حوصلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ غمتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو



بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری بہا  
نورِ انساں قوم ہو میری وطن میرا بہا  
ویدہ باطن پر از نظم قدرت ہو عیا  
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ خندا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حسنِ عشقِ انجمنِ ہر شے میں نظر آتے مجھے

صد مہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر  
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر  
دل میں سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا  
نور سے جس کے بلے از حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیر ہر دروہی انساں کی سوانہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں  
فیضیت کا نشان ہے غیرِ انجم نہیں  
اپنے حسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں  
ہم سرِ یک فترتِ خاکِ بر آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ گرم ہاں شاہی رہا

اور تو منتِ پیہرِ صبحِ منہ را ہی رہا

آرزوِ نو حقیقت کی ہوائے دل میں ہے  
یہی ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے  
کس قدر لذت کشو عقدہِ مشکل میں ہے  
لطفِ حاصلِ جاری سہی بے حاصل میں ہے

دردِ استغمام سے اقف ترا پہلو نہیں  
جستجوئے از قدرت کا شناسا تو نہیں

## دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گہرا آبِ دُر تو  
پنہاں تہ نقابِ تری جلوہ گاہ ہے  
اگنی نئی ہو اچسپنِ بہت بود میں  
ہاں، خود نہاتوں کی تجھے جستجو نہ ہو  
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو  
پنہاں درونِ سینہ کہیں راز ہو ترا  
اشکِ جگر کہ از زخمِ تاز ہو ترا  
گویا زبانِ شاعرِ زنجیںِ بیاں ہو  
آواز نے میں شکوہِ فُرت نہاں نہ ہو

یہ دوزِ نکلتے چیں ہے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو گلین ہے مہیں چھپ کے بیٹھ رہ

حافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ افریدہ دیکھ! جو یا نہیں تری نگہِ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو      حیرت میں چھوڑ دینا چلت پند کو  
 جس کی بہ سا تو ہو یہ ایسا چمن نہیں      قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں  
 یہ انجمن ہے شستہ نظارہ محباز      مقصد تری نگاہ کا خلوت سراے از

ہر دل سے خیال کی کستی سے چور ہے  
 کچھ اور اس جھل کے کلیوں کا طور ہے

## گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں      کس طرح تجھ کو مستائے دل بہل کہوں  
 تھی کبھی موج صبا کھوار چمن باں ترا      نام تھا صحن گلستاں میں گل خداں ترا  
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا  
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا      ہے نہاں تیری ادا سی میں دل بیاں مرا  
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو      خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو  
 ہر چوئے از نیستانِ جو حکایت می کنم      بشنوائے گل از جداتہا شکایت می کنم

# سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے کیا  
اے کہ تیری روح کا طائر نفس میں ہے کیا  
اس حین کے نغمہ پردازوں کی ازادی تو مجھ  
شہرِ جواہر اسوا تھا اس کی آبادی تو مجھ  
فکر رہی تھی مجھے جس کی وہ منزل ہے یہی  
صبر و استقامت کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

سب تربت ہے مرا کوہِ تفت و تیرے

چشمِ باطن سے فراس لوح کی تحریر

مذہبِ عاتقِ الزہد میں ہے تسلیم میں  
تو کہ زہد تو کم کو اپنی نہ سکھانا کہیں  
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں  
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا اپنا نہ محشر ہیاں  
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے  
وہی کہ کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگِ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی بدتر ہے تو سن میری صدا  
ہے دلیری دستِ ارباب سیاست کا عصا  
عرضِ طلب کے جھجک جانا نہیں زیادتجے  
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ سوسن کا دل بیم و یاس سے پاک ہے  
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا رہا تھوں میں تیرے خانہ معجزِ قسم      شیشہ دل ہوا تیرا مثالِ جامِ جسم  
پاک رکھ اپنی زبان تلہیہِ رحمانی ہے تو      ہونہ جانے بھینسا تیری صدا ہے آبرو  
سوسنے والوں کو جگانے شعر کے اعجاز سے  
خمرینِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

## ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل      ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے ٹوٹے آبِ نیل  
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب      نشرِ قدرت کے لیا کھول ہے فصہ آفتاب  
چرخ نے بالی خیرالی ہے عروسِ شام کی  
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی  
قافہ تیرا وہاں بے منتِ بانگِ دوا      گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پیا  
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھاتا ہے تو      ہے وطن تیرا کہ صحرس و یس کو جاتا ہے تو

ساتھ اے سیارہ ثابت نمائے چل مجھے خارِ حسرت کی غلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں

طفلابِ سیاب پاہوں مکتبِ بستی میں

## انسان اور بزمِ قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے  
پر تو مہر کے دم سے ہے اجلا تیرا  
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے  
گل و گلزار تجھے حشد کی تصویر میں  
سرخ پوشاک ہے ٹھپولوں کی دختوں کی ہری  
ہے ترخمیہ گردوں کی طبعاتی جبار  
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی  
رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تہی سیری  
صبحِ اک لیت سراپا ہے تری سطوت کا  
بزمِ معمرہ بستی سے یہ پوچھا میں نے  
سیمِ سیال ہے پانی تھے ریاقوں کا  
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے  
یہ بھی سورہٴ دانش کی تفسیر میں  
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری  
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پر نطسہ  
مے گلزمِ خم شام میں تونے ڈالی  
پردہٴ نور میں ستور ہے ہر شے تیری  
زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا



نہیں بھی بادلوں اس نور کی بستی میں ملے  
جل کیا پھر مری تختہ دیر کا اختر کنوئلر؟  
نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سنیہ روز سنیہ سخت سنیہ کار ہوں میں؟

نہیں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی  
بام گردوں سے ویا صحن میں سے آئی  
ہے تیرے نور سے ابستہ مری بود و بود  
باغباں ہے تری ہستی ہے گھڑاڑ چڑ  
انہج سن کی ہے تری تصویر ہوں میں  
عشق کا تو ہے محیف تری تفسیر ہوں میں  
میرے بگڑے ہوتے کاموں کو بنایا تھو نے  
بار جو مجھ سے اٹھا وہ اٹھا یا تھو نے  
نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری  
اور بے منت خورشید چمک ہے تیری  
ہو نہ خورشید تو ویراں چو گلستان میرا  
منزل عیش کی جا نام ہو زنداں میرا  
اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے  
حلفت مدام تمسک میں الجھنے والے  
ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز  
نازیب تھا تجھے تھو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سنیہ روز ہے پھر نہ سنیہ کار ہے



# پیامِ ح

(ماخوذ از لائیک فیلو)

اُجالا جب تجھ اِ رخصتِ جبینِ شب کی افشاں کا  
 نسیمِ زندگی سپہِ لانی صبحِ خنداں کا  
 جگایا بسیلِ رنگیں نوا کو آتشِ یلے میں  
 کنکے کھیت کے شانہ پلایا اُس نے دھتیاں کا  
 علمِ غلبتِ شبِ سورۃ والنور سے توڑا  
 اندھیرے میں اڑایا تلخ زرشعِ شبستاں کا  
 پڑھا خواہیہ گدینِ قریرِ افسونِ بیداری  
 برہن کو دیا سپہِ مہمِ خورشیدِ خشاں کا  
 ہوتی بامِ حرم پر آگے یوں گویا موتوں سے  
 نہیں کھٹکا ترے دل میں نہ وہ مہرِ تاباں کا  
 پیکاری اس طرح دیوارِ دشمن پر مٹے ہو کر  
 چٹک اغنویہ گُلِ آشوتوں سے گلستاں کا  
 دیا یہ حکم صحر میں چلو اے قافلے والا  
 چلنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا  
 سوئے کوہِ غریباں جب لیتی ندوں کی سہی  
 تو یوں بولی لطفِ رہِ دیمہ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں مھر بھی آؤں گی  
 سلا دوں گی جہاں خواہے تم کو جگتاؤں گی



# عشق اور موت

(ماخوذ از مثنوی سن)

سُہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی      تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی  
کہیں مسر کہ تاج زر بل رہا تھا      عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی  
بسیہ پیر جن شام کو دے رہے تھے      ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی  
کہیں شاخ ہستی کو گلتے تھے پتے      کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی  
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا      ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی  
عطا ورد ہوتا تھا شاعر کے دل کو      خودی تشنہ کام مے سب بے خودی تھی  
اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی      کوئی حور چوٹی کو کھولے گھڑی تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

سکماں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں

غرض اس قدر نیط سارہ تھا پیارا      کہ نطفہ رگی ہو سدا پانٹارا  
مک آزماتے تھے پرواز اپنی      جبینوں سے نور ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا  
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تابوں کا  
 پے سیر فرووس کو جا رہا تھا  
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے  
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ  
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرے  
 مری آنکھ میں جا دوئے ہستی ہے  
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی  
 شر بن کے رہتی ہے انسان کے دل میں  
 شکست ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو  
 سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی  
 گری اس متبہ کی بجلی ابل پر  
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا  
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا  
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را  
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا  
 اہل ہوں مرا کام ہے آشکارا  
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرار  
 پیام فنا ہے اسی کا اشار  
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پار  
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا  
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا  
 ہنسی اس کے لب پر ہونی آشکارا  
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بستا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ  
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

## زُہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنانا ہیوں کہانی  
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منش کا  
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت  
لبرزیئے زہد سے تھی دل کی صراحی  
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی  
مدت سے ہاتھ تھے ہمسائے میں سیر  
حضرت مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا  
پابندی احکام شریعت میں ہے کیا؟  
سنانا ہیوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا  
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا  
سمجھتا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل  
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی  
کہتے تھے اوبان کا اعلیٰ و ادانی  
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی  
تھی تہ میں کہیں درد خیال ہر دانی  
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑانی  
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی  
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی  
گو شعر میں ہے شک ظہیم ہر دانی  
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی  
تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی  
مقصود ہے مذہب کی طر خاک اڑانی  
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت  
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے ہے میں نے  
 مجموعہ اصفہا و سئے اقبال نہیں ہے  
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف  
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی  
 القصد بہت طویل دیا وعظ کو اپنے  
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے شب  
 اک دن جو سردار امیٹے حضرت زائد  
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی  
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے  
 غم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے  
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت  
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا  
 مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس منزل کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی  
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی  
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی  
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی  
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی  
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی  
 میں نے بھی سنی اپنے اجداد کی زبانی  
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی  
 تھا فرض مراد اوش شریعت کی دلکھانی  
 یہ آپ کا حق تھا زرد و قرب مکانی  
 پیری ہے تو وضع کے سبب میری جوانی  
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور میری جوانی  
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی  
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانہ



اقبال بھی قہرِ سال سے گاہ نہیں ہے  
کچھ اس میں سخن نہیں و اللہ نہیں ہے

## شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم  
منزلِ صنعت کے پیا ہیں دستِ پائے قوم  
محفلِ نظمِ حکومت چہ قریب ہے قوم  
شاعرِ زندیں نوا ہے ویدہ بینائے قوم

بستائے رو کوئی عضو ہو تو ہے انکھ

کس قدر ہمد و سارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

## دل

قصہ دار و رسن بازی طعن لائے دل  
یارب اس ساغرِ لبریزی کے کیا پر کی  
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بیل یارِ جا  
حُسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا  
الجبائے ارنی سُسخی افسانہ دل  
جادو ملکِ بخت ہے خطِ پیمانہ دل  
جل گئی مزرعِ پرستی تو آگاہانہ دل  
تو نے فرہاد و بانہ لھو اکبھی ویرانہ دل  
عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس چہر  
کس کی منزل ہے الہی امرِ کاشانہ دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا  
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل  
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو  
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل  
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے  
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ تر پڑانہ دل  
 عشق کے دم میں مچھنس کر یہ رہا ہوتا ہے  
 برق لڑتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

## موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے  
 صین پستی ہے تڑپ صورتِ سیاب مجھے  
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پیاب مجھے  
 ہونہ زنجیر کبھی سلفہ لبر و اب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے ٹوسن میرا

خارِ ماہی سے نہ اشکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مکمل سے  
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے  
 ہوں وہ رہز کہ محبت ہے مجھے منزل سے  
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں بے یساں ہوں میں

# منخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں  
 بکد میں افسردہ دل ہوں درِ بحرِ نسل نہیں  
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ نیر  
 گو بڑی لذت ہے ہنس کا آرائی میں ہے  
 مدتوں تیرے خجے و آرائوں سے ہم صحبت ہا  
 مدتوں بیٹا ترے ہنس کا ترے عشرت میں  
 مدتوں ٹھونڈا کیا نطفہ سارہ کلخ میں  
 چشمِ حیران ٹھونڈتی اب اور نطفے کو ہے  
 آہ اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں  
 تو میرے قابل نہیں ہے میں تیرے قابل نہیں  
 توڑ کر نکلے گا زنجیرِ مملکتی کا اسیر  
 اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے  
 مدتوں بے تاب موجِ بحر کی صورت ہا  
 روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں  
 آہ وہ یوسف نہ ہا تم آیتِ بزار میں  
 آرزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتر چسپن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ امن کھسار میں  
 آہ! یہ لذت کہاں ہو سیتی گرفتار میں

ہم شہینِ بکسِ شہلا، رستِ قُتلِ ہوں میں      ہے چمنِ میرا وطن، ہمسایہِ مبہل ہوں میں  
شام کو آوازِ چشموں کی سُلّاتی ہے مجھے      صبحِ فرشِ سبزے کو قُتلِ جگاتی ہے مجھے

ہم رستی میں ہے سب کو محفلِ ادا کی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں یہ      ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کی وادی میں یہ؟

شوقِ کس کا سبزہ آروں میں پھرتا ہے مجھے      اور چشموں کے کناروں پر سُلّاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدائِ کُنجِ عزلت کا ہوں میں      دیکھ اے غافلِ پیامی ہم قدرت کا ہوں میں

ہم وطنِ شہلا کا قمری کا میں ہم آرزو ہوں      اس چمن کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنائے کے لیے      دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازان میں اپنے گھر میں      خند زن ہوں سندِ آواز اس کندہ پر میں

یہ نثارِ شبِ بکھتا ہے جاؤ کا اثر      شام کے تاریے پہ چبڑتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کجاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھنہ آتا ہے از بہشتِ بو



# طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھیننے چلا تا ہے تو مہربان ہوں میں مجھے نامہربان سمجھا ہے تو

پھر پڑاوتے گا اے نوار و استغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا بار یکساں ہے تو اسلم

آہ! کیوں لکھنے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیری کہاں چینی کی پتی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزاد و غبار آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شہر آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزاد و قید ہستی

تیری آنکھوں پر پیویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بڑا کر مجھ سے چلا تا ہے تو کیا ماسا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہیں میں بھی تم تو تلون آشنا، میں بھی تلون آشنا

عارضی لذت کا شیدا آتی ہوں چلا تا ہوں میں جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

سیری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

تیری صورت کاہ لکریاں کا خندان میں بھی ہوں

دیکھنے کو نوجوان ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

## تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ نیدنِ داستانِ مری  
 یہ ستورِ بیاں بندی ہے کیسا تیری محفل میں  
 خروشِ لغت کو ہے بے بانی ہے بیاں مری  
 یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے بیاں مری  
 چمن میں ہر طرف بکھر چکی ہے داستانِ مری  
 چمنِ اوس کے بل لر لٹ لی طرزِ فغاں مری  
 سراپا چوڑی حشر بھری ہے داستانِ مری  
 حیاتِ جاوداں مری نہ مل گیا کہاں مری  
 وہ گل ہوں غمناں گل کی ہے گویا خزاں مری  
 مرادِ مانہیں ونا ہے یہ سارے گلستان کا

”دیں حسرتِ سرا عمرِ ستِ افسونِ جبرائیلِ م

رفیقِ دل پیدا نہا خروشِ بے نفسِ دارم“



ریاض ہرینِ آشنائے نغمِ عشرت ہو  
 مری بڑی ہوئی تفتیہ کو روتی ہے گویائی  
 پریشان میں مُشتِ خالِ لکین کچھ نہیں کھلتا  
 یہ سب کچھ ہے مری مقصدِ قدرت کا  
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو مُشتِ خالِ صحرانے  
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی  
 نہ صبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ  
 خوشی روتی ہے جس کو ہر دم محرومِ مسرت ہو  
 میں فربہ شربِ شہد کو شمعِ سامت ہو  
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں لکڑی و لُدت ہو  
 سرِ پانور جو جس کی حقیقت میں عظمت ہو  
 کسی کو کیا ہے میں کیا ہوں کس کی دولت ہو  
 میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو  
 میں اس مکانِ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے رازِ دوسالِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے  
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں  
 اثر یہ بھی ہے ال میرے جنونِ فتنہ سامان کا  
 رُلا تے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو  
 دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا  
 نشانِ گلِ تلک بھی نہ چھو اس باغِ گلچیں  
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیسے ہم بانوں میں  
 مرا آئینہ دل ہے قصا کے رازِ دانوں میں  
 کہ عبرتِ خیز ہے ہر افسانہ سببانوں میں  
 لکھا کلامِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ انوں میں  
 ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر استیں نہیں نکلیاں رکھی ہیں گروں نے  
 سن اے غافل صد میری ایسی چیز ہے جس کو  
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت آنے والی ہے  
 فرادیکھ اس کو کچھ پور رہا ہے ہونے والا ہے  
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرادیکھ کر  
 نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والا  
 عنادِ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں  
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں  
 تری برادریوں کے مشوے ہیں آسمانوں میں  
 دھڑکیا ہے بھلا عہدِ کائنات کی داستانوں میں  
 زمین بچ تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں  
 تمہاری داستان تک پہنچتی ہوئی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کامِ زنِ محبوبِ فطرت ہے

ہو یاد آج اپنے جسمِ نہاں کر کے چھوڑوں گا  
 جدانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ نہاں سے  
 مگر غنچوں کی صوٹ ہوں دلِ دروِ آتشا پید  
 پرنا ایک ہی سیج میں ان بھرے دانوں کو  
 مجھے اے ہم نشین رہنے دشمنِ سینہ کاوی میں  
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے کھلے  
 لہو روئے مٹھل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا  
 تری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا  
 چمن میں رشتِ خال اپنی پریں کر کے چھوڑوں گا  
 جو شکل ہے تو اس شکل کو اس کر کے چھوڑوں گا  
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا  
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پروں میں چمن بنایا دیکھ لیتی ہے  
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے ذل کو آتش تو نے  
گزار دی عمر پستی میں مثال نقشِ پا تو نے  
رہا دل بستہ محفلِ مگر اپنی نگاہوں کو  
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آتش تو نے  
فدا کر تار ہا دل کو حسینوں کی آواں پہ  
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آواں تو نے  
تعبیبِ چھوڑنا و ان دہر کے آئینہ خانہ میں  
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تو نے  
سر اپنا لے بیجا و سودِ ز زندگی ہو جا  
سپند اس لہر میں ماندہ کتنی ہے صدا تو نے  
صفائے دل کو کیا آتشِ رنگِ تعلقی سے  
کعبِ آئینہ پر باندھی ہے او ناداں جنا تو نے  
زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ دتا ہے  
غضبِ سطرِ قرآن کو چلیں پار دیا تو نے  
زباں سے لکھ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل  
بنالیک ہے بتِ پندار کو اپنا حسد اتو نے  
کنوئیں میں تُو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا  
اے غافل! جو مطلق تھا حقیت کو دیا تو نے

ہوسِ بالائے منبر ہے تجھے رنگین بیانی کی  
نصیحت بھی تیری صورت کے ہاں افسانہ خوان کی

و لکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پرہیز کو  
جو ترپا ہے پرانے کوڑ لواتا ہے شبنم کو

ہزار نظارہ سی ہے بوالہوس مقصد نہیں کا  
 اگر دیکھا بھی اُس نے سائے عالم کو تو کیا بھیا  
 شجر ہے فرقہ آرائی، تخت ہے شہر اس کا  
 نہ اٹھا جذبہ خوشی کے ال بُلُّ لُٹل تک بھی  
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو  
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو  
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلا واپس آدم کو  
 یہ رفعت کی مثال ہے کھلے اڑتی ہے شبنم کو  
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو  
 پھر اکتے نہیں مجروح الفت فکر دریاں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

وہاں ہر دُکھ کی ہے مجھ سے روح تیغ اُردو رہنا  
 شراب سے خودی سے تانک پوار ہے میری  
 تھے کیا دیدہ لریاں وطن کی نوخانی میں  
 بنائیں کیا سمجھ کر شلخ گل پر اشیاں اپنا  
 علاج زحمت ہے آزاد و احسان نور ہونا  
 شکست رنگ سے کھانے میں بن کے نور ہونا  
 عبات چشم شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا  
 چمن میں آہ کیا رہنا جو بے آبرو رہنا  
 غلامی ہے اسیر استیاز ماو تو رہنا  
 تجھے بھی چاہیے شل جابا بھور ہونا  
 یہ ہستنائے پانی میں نگوں کھتا ہے ساغر کو  
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑ ہے محبتِ نوعِ انساں کی      سکھایا اس نے مجھ کو سستِ جام و سبور سنا

محبت ہی کپاتی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیسے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے      یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحر بھی      جرس بھی کارواں بھی راہِ سیر بھی راہِ نرن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب کچھ یہ لیسے کین مرضِ ایسا      چھپا جس میں علاجِ کرکشنِ چرخِ کُنن بھی ہے

غلانا دل کل ہے گویا سہرا پا نور ہو جانا      یہ پروانہ جسدِ زان ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اکِ حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں      یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، گوہن بھی ہے

اجازت ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو      سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

سکوتِ آوازِ طولِ استانِ روس ہے ورنہ      زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکروید کہ تیرے رشتہ معنی رہا کروم

حکایتِ بودے پایاں، بخاموشی اوا کروم“





# نالہ فراق

(آرٹلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آفرائے نکاتیں اکھیں      آہ بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں  
آج اس صداقت کا مے دل کو یقین      غلبت شب کے ضیائے وز وقت کم نہیں

”مازا آغوش و دہش داغ حیرت چیدہ است

ہر چہ شمع کشتہ چشم نگاہ بیدہ است“

گشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں      شہرے واک شدت میں کل جاتا ہوں میں  
یاد ایام سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں      بہر تسکین تیری جانب ڈرتا آتا ہوں میں

آئینہ کو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے

جہنیت ہے مگر پیدامری افتار سے

ذرہ میرے دل کا غور شدہ آتشا ہونے کو تھا      آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نہا ہونے کو تھا  
نخل میری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا      آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابر رحمت و امن از طراز ہن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت



تو کہاں ہے اے کلیم ذرۂ سیناے علم      تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افراے علم  
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم      تیرے دم سے تھا پلکے سر میں بھی سووائے علم  
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سواداںہ

خاکِ حسنوں اغبارِ خاطرِ صحرائے علم

کھول دے گا دشتِ دشتِ عقدہ تقدیر کو      توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو  
دیکھتا ہے دیدہ حیران تری تصویر کو      کیا تہی ہو مگر دیدہ تعسیر کو

”تابِ گویائی نہیں رکھتا دہنِ تصویر کا

خاموشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

## چاند

میرے دیرانے کے کو سوں دے رہے تیرا وطن      ہے مگر دریائے دل تیری شش سے مجھ جن  
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟      زور و روشاید ہوا رنجِ منہ سزل سے تو  
افرنیش میں سراپا نور تو جلستِ ہون میں      اس سجِ روزی پسین تیرا ہم قسمت ہوں میں  
آہِ ہمیں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے      تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر تسم تری فتا ہے  
 زندگی کی وہ میں گزراں کے تو حیران ہوں میں  
 میں منزل میں ہوں تو بھی وہ منزل میں ہے  
 تو طلب ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے  
 انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں  
 مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغام اجل  
 پھر بھی اے بابہ بس میں رہوں تو اور ہے  
 گدھے میں غلط سے سراپا ہوں سراپا نور تو  
 میری گردش بھی شال گردش چکا ہے  
 تو فروزاں محفل سستی میں کے سوانا ہوں میں  
 تیری محفل میں جی خاموشی ہے کیسے دل میں ہے  
 چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے  
 بزم میں اپنی اگر کہتا ہے تو تنہا ہوں میں  
 محو کر دیتا ہے مجھ کو جلد وہ حسن ازل  
 درد جس پہلو میں اٹھتا ہوا وہ پہلو اور ہے  
 سیکڑوں منزل ہے ذوق آگاہی کے تو تو

جو مری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے  
 یہ چمکتے ہیں جس گری محروم ہے

## ملال

چمک اٹھا جو ستارے تیرے مقتدر کا  
 چش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا  
 نہونی اسی سے ترے غم کے کی آبادی  
 تری غلامی کے صدمے ہزار آزادی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جوتی ہے دھبتا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شراب پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نظائے کاشلِ کلیم سودا بخت اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ سحر ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹھنک دے کہ پیسے دے نیا سائید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبار کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موٹی پر

پیشِ رشعلہ رفتند بڑل تو روند

چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

ادائے دیدہ اپنا تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نکلے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا

۱۰۴  
ہاتھی سے رلا  
۹۱

# سرگزشت دوم

نئے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے  
 لگی یہ میری طبیعت ریاضِ حُث میں  
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو  
 ملا مزاجِ تغیر پسند کچھ ایسا  
 نکالا کبے سے شکر کی ہر توں کو کبھی  
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر پھنسا  
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا  
 کبھی میں غارِ حیرت میں چھپا رہا برسوں  
 سنایا ہند میں اکبر و دربارانی  
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی  
 بنایا دُروں کی ترکیب سے کبھی عالم  
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو  
 بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے  
 پیاشو رکا جب جامِ آشیں میں نے  
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے  
 کیا تہِ رازِ نہ زیرِ فلکِ کبھی میں نے  
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے  
 چھپایا نورِ ازل زیرِ استیں میں نے  
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے  
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے  
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے  
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے  
 خلافِ معنی تسلیم ایل دیں میں نے  
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل و دہیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی  
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں  
 کشش کا راز پوچھا لیا زمانے پر  
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو  
 گم غم نہ ملی آہ راز ہستی کی  
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے  
 ان خیال میں آئیں گزار دیں میں نے  
 سکھایا سدا گروش زمین میں نے  
 لگا کے آتش عقل و دہر میں میں نے  
 بنا دہی عیت سر جنت یہ سرزمین میں نے  
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے

ہوتی جو چشم مظاہر پرست و آخر  
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکیں میں نے

## ترانہ ہندی

سلسلے جہاں سے اچھا پسند و تاش ہمارا  
 غربت میں ہیں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں  
 پرست وہ سب کے اونچا پسند آیا ہمارا  
 گووی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں پیا  
 اے آپ و لنگا اوہ دن میں یاد تجھ کو  
 ہم غیبی ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا  
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا  
 وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا  
 گلشن برون کے دم سے رشک جہاں ہمارا  
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بھڑکھٹا  
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا  
 یونان مصر و ماسب مشعلتے جہاں سے  
 اب تک طرے باقی نام و نشان ہمارا  
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری  
 صدیوں ہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال! کوئی محسوس اپنا نہیں جہاں میں  
 معلوم کیا کسی کو دیکھتا ہمارا

## جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں  
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں  
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ  
 یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں  
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا  
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں  
 تلمکہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا  
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں  
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی  
 لے آئی جس کو قدرت خلوت کے انجمن میں  
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی  
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک چمکا، جگنو بھی اک چمکا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا



ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبرئی  
 رنگیں نو ابنا یا مرغاں بے زباں کو  
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی  
 رنگیں کیا سحر کو باغی دھن کی صورت  
 سایہ و یا شجر کو پرواز دی ہو کو  
 پرواز کو تش دہی بگنو کو روشنی دی  
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی  
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی  
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی  
 پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے  
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا  
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رند  
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی  
 انسان میں وہ سخن ہے غنیمت میں چمک ہے  
 وہاں چاندنی ہے جو کچھ بیاں درو کی لک ہے  
 نغمہ ہے جوئے طبل، بو بھول کی چمک ہے  
 جگنو میں جو چمک ہے وہ بھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگھاموں کا محل ہو

ہر شے میں جبکہ پنہاں شہی ازل ہو



# صبح کا ستارہ

لفظِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں  
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں  
میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی  
اس بندگی زمین والوں کی بستی اچھی  
آسمان لیا، عدم آباد وطن میرا  
صبح کا دامن صد چاک لفن ہے میرا  
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا  
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا  
نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی  
اس گھڑی بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری شہرت میں جہوتا تو نہ خست برناتا

قصرِ دریا میں حکمت اپنا گلوں پر نبت

واں بھی موجوں کی کشائش کے چول لھراتا  
چھو کر جب کہیں سب گلوں ہو جاتا  
جسے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر  
زینت تاج سرِ بانو سے قصیر بن کر  
ایک پتھر کے جوئلز سے کانسیا جاہ  
خاتم دستِ سیماں کا نگین بن کے رہا  
ایسی چیزیں کا ملو دہر میں کام شکست  
جسے لہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست  
زندگی ہے کہ جو ہر نہ شناساتے اجل  
کیا وہ جیسا ہے کہ جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ نخبِ سام الرزینیتِ عالم ہو کر

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھولے شبنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کتے ساروں میں  
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں

اشک بن کر مژگاہاں کے ایک جاؤں میں  
کیوں نہ اُنسو کی انگوٹھوں کے ایک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو وہاں ہو کے زہر میں ستور  
نئے میدانِ عنایتِ وطن سے مجبور

پس اُتید کا لطف و جو دکھلاتی ہو  
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی دے  
اور نگاہوں کو حیا طاقبت کو یابی دے

زردِ رخصت کی گھڑنی حاضِرِ ظلموں پہ جاتے  
کشتِ حسنِ نسیمِ ہجر سے افزوں ہو جاتے

لاکھ وہ ضبط کئے پر میں ٹپک ہی جاؤں  
سُخِ بُرینِ پُرم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوز زبانی کو دکھاتا جاؤں

## ہندوستانی بچوں کا قومی کلیت

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا  
نانک نے جس چمن میں وحدتِ کلیت لگایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مشرقی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے امن میریں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے حوٹارے فارس کے آسمان سے پھر تابوے کے جس نے چمکائے لکشاں سے

وہ کیلے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کی آتی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پرست جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

نیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کجبت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے کیا  
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے  
تنگ آگے میں نے آخرِ دیرِ جسم کو چھوڑا  
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیت کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں  
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ شوقِ مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت کے دل کی سببی  
آہِ اک نیا سوال اس دیس میں بنا دیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ  
دامِ ان آسماں سے اس کا کھس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر و میٹھے میٹھے  
سائے پنجاریوں کو مے پست کی ملا دیں

شکستہ نہیں شکستہ بھی شکستوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

داغ

عظمتِ غالب ہے اک مذتِ پیوندِ زمیں  
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین

توڑ ڈالی ہوئے غربت میں سینے آہر  
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے آہر

آج لیکن منو اس را چمن باتم میں ہے شمع روشن ٹیجھ لسی بزم سخن باتم میں ہے  
 نبیل دلی نے باندھا اس چمن میں شیاں ہم نوا ہیں عجب دل بانغ ہستی کے جہاں

چل بسا آغ آہ بہت اس کی زیوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاصوش ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طرزیں آگ تھی کانورپیری میں جوانی کی نہاں  
 تھی بان آغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلیٰ معنی ہاں بے پردہ یاں سہل میں ہے  
 اب سب کے کون پوچھے کاسکوت گل کارا کون سمجھے کاچمن میں نالہ نبیل کارا

تمہی حقیقت سے بغلت فکر کی پرواز میں

اسکھٹ کر کی نشین پر پھی پرواز میں

اور دکھلا میں گئے مضمون کی بہن باریکیاں اپنے فکر نکستہ آرا کی فلک سپاہیاں  
 تمہنی دوراں کے نقشے کھینچ کر لڑا میں گے یا تختیل کی تہی دنیا میں دکھلا میں گے  
 اس چمن میں جس کے پیدا نبیل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحب عجب بھی  
 انھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے پلا میں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے  
 بکھری عاتیں کی کتاب دل کی تفسیر میں بہت ہوں کی لے اب جانی اتیری تعبیر میں بہت

۱۱۶  
 بانگ سے دور  
 ۱۰۰



یو بہو کھینچے گا بس کن عشق کی تصویر کو

اٹھ لیا ناول سنگن مارے گا دل پر تیر کوں؟

اشک کے دانے زمین شعر میں بتا ہوں میں تو بھی رولے خال کی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہان باد اے سرمایہ بزم سخن! ہو لیا پھر آج پامال حسن ان تیرا چمن

وہ گل نگین ترا زخمت مثال ہو ہوا او جنگل داغ سے کاشت نہ اُڑو ہوا

تمہی نہ شاید کچھ شش ایسی وطن کی خال میں وہ سرِ کمال ہو اپنا سان کن کی خال میں

اٹھ گئے ساقی جو تمہے سے خانہ عالی رہا

یادگار بزمِ دہلی ایک حسالی رہا

ارزو کو خون رولواتی ہے بیدِ اہل مارتا ہے تیر تار کی میں صیتِ اہل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زباں ہے حسن کا رنگ بھی جہ قیامِ گلستان

ایک ہی قانونِ عالم صرگے ہیں سب اثر

نوتے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پڑ سر بن کا

نہاں ہوا جو رخ مہر زریہ دامنِ ابر  
 گرج کا شور نہیں ہے خموشی سے یہ لکھا  
 چمن میں حکمِ شادِ مدام لاتی ہے  
 جو پھول مہر کی لڑی سے سو چلتے تھے اُٹھے  
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل  
 اُٹھی وہ اور لکھٹا لکھٹا بوسِ پربادل  
 عجب خیال ہے کسار کے نہالوں کا  
 یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

## ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا  
 چمکتی چیزِ ال و بھیں زمیں پر  
 کہا جنگلو نے او مرغِ نوا ریزا  
 تجھے جس نے چمک لک لک مہدی  
 لباسِ نور میں ستور ہوں میں  
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہ تھا  
 اڑا طائر اُسے جگنو سمجھ کر  
 نہ لڑکیں یہ منقادِ ہوس تیز  
 اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی  
 چنگلوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چمک تیری بہشت گوشِ ادب ہے      چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے  
 پڑں کو میرے قد رستے ضیاء دی      تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی  
 ترمی منفستار کو گانا سکھایا      مجھے گلزار کی شعل بنایا  
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو      دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو  
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز      جہاں میں ساز کا ہے ہم شیں سوز  
 قیامِ بزمِ ہستی ہے انھی سے      ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہنگی کے محلِ جہاں کی  
 اسی کے بہارِ اس بوستان کی

## بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے اے طفلِ کلبِ پروانہ خوا      شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی میٹا رہتا ہے تو  
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنسِ بچہ کیا      روشنی سے کیا بغلِ لیری ہے تیرا دعا؟

اس نظارے سے ترانہ سادول حیران ہے

یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چپان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سر اپا نو ہے  
آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے  
دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا  
شجہ کو خال تیرے کے فانوس میں پہناں کیا  
نورِ تیرا چمپ کیا زیرِ نقابِ الہی  
خجہ غبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراہوشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی پہنے ہوئی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پیمانِ حسن  
آنکھ الٹ دیکھتے تو ہر قطرے میں طوفانِ حسن  
حسن کو ہستاں کی ہیبت ناک غاموشی میں ہے  
بہر کی ضوئِ سترونی شب کی بسیہ پوشی میں ہے  
اسماں صبح کی آئینہ پوشی میں ہے  
شام کی طلعت شفق کی گلِ فروشی میں ہے  
عظمتِ دیرینے کے ٹٹے ہوئے آثار میں  
طفلابِ ناشناک کی کوششِ لغتار میں  
سائناتِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے  
نختہ نختہ طاروں کی اشیاں سازی میں ہے  
چشمہ لہزار میں دریا کی آوازی میں حسن  
شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن  
روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا  
ورنہ اس صحرا میں کونوں نال ہے مثلِ حیرس!

حسن کے اس عالمِ جلوے میں بھی تباہ ہے

زندگی اس کی مثالِ مٹی ہے آہ ہے

۱۲۰  
بانگِ درا  
۱۰۴

# کنارِ راوی

سکونتِ شام میں محوِ سرو ہے راوی  
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی  
 پیامِ جد سے کا یہ زیرِ وہم ہوا مجھ کو  
 جہاں تمام سوا جو سرم ہوا مجھ کو  
 سرِ کنارِ آسپہاں لکھڑا ہوں میں  
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں لکھڑا ہوں میں  
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوئے ہیں شام  
 لیے ہے پیرِ فلکِ مستِ عرشہ دار میں جام  
 عدمِ کوفتِ افلکِ روزِ یسز کا مہلا  
 شفق نہیں ہے یہ سوج کے ٹھول ہیں لویا  
 کھرے ہیں دورِ عظمتِ فرائے تنہائی  
 منارِ خوابِ گوشتِ سوارِ چغتائی  
 فسانہِ ستمِ انقلاب ہے یہ محل  
 مقامِ کیا ہے سروِ خموش ہے لویا  
 رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز  
 شجرِ یہاں بس بنے عروش ہے لویا  
 سبکدوشی میں ہے مہیشنِ نگاہِ شستی  
 ہوا ہے موج سے طالع جس کا گرم ستیز  
 جہانِ زندگیِ آدمی رواں ہے یونہی  
 نکل کے حلقہ حیدرِ نظر سے دور لیتی  
 ابد کے بھر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکست کے کیسے ہی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

# الْحَاجَاتُ مُسَافِر

(بہ درگاہ حضرت محبوب الہیؑ دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا  
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا  
تک عشق کے تیری شش ہے ہیں قائم  
نظام ہم سسر کی صہوت نظام ہے تیرا  
تری لحد کی یار سے زندگی دل کی  
سیح و خضر سے اُنچ مقام ہے تیرا  
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی  
بڑی ہے شان بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام  
وگر گشت و چینم گل سار توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شلخت گل  
ہوا ہے صبر کا منظور استحاں مجھ کو  
چلی ہے لے لے وطن کے نگار خانے سے  
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو  
نظر ہے ابرار کم پر درختِ صحرائوں  
کیا خدا نے مجھ تلج باغباں مجھ کو  
فدا نشیں صفتِ مہر مہوں زمانے میں  
تری دعا سے عطا ہوئے زبان مجھ کو  
مقام ہم سفر سے ہوا قس آگے  
کہ سمجھے نزل مقصود کا وراں مجھ کو

۱۲۲  
باقی ہے در  
۱۰۶



مری بانِ تسلیم کے کسی کا دل شوق لکھے  
 دلوں کو چال کرے مثلِ شائہ جس کا اثر  
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ جس میں نے  
 پھر کر لکھیں قدمِ دور و پدِ چہرہ ہیں  
 وہ شمعِ بارگہ حنہ اندازِ مرقعِ صوفی  
 نفس سے جس کے کھلی میری ازو کی گلی  
 دعا یہ کر کہ حنہ اندازِ آسمانِ بزی  
 وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ منسلِ عشق  
 جدا کے جس کی محبت نے دفترِ من تو  
 ریاضِ ہر میں مانسہ گل ہے خند  
 کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے  
 یہ تجھے سانسِ قبول ہو جائے



# عزلیات



گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ  
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ  
ایک ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ  
وہ دم نہ جاتے ہستی ناپا تدار دیکھ  
مانا کہ تیری دیک کے قابل نہیں میں  
تو ہمیں رشتہ دیکھ مرا منتظر دیکھ  
کھولی ہنرِ بقیہ نے آنکھیں تری اگر  
ہر گہلزار میں نقشِ شکر کھپائے یار دیکھ



نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی  
مگر وعدہ کرتے ہوئے عدا کیا تھی  
تمہارے پیامی نے سب زلھولا  
خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی  
بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا  
تری آنکھ مستی میں شہیار کیا تھی

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد  
گمریہ بے طرہ انکار کیا تھی  
کھینچے خود بخود جانب طور موہی  
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قہرِ سبالتیرا  
فسوں تھا کوئی تیری گنہگار کیا تھی



عجب اعظم کی دین داری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے  
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے  
وہیں سے رات کو خلعت ملی ہے چمکتا ہے نے پائی ہے جہاں سے  
ہم اپنی دروہندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے رازِ دواں سے

بڑی باریک بینی میں اعظم کی چالیں  
لرز جاتا ہے آوازِ اذواں سے



لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے  
وائے ناکامی فلاں کے تال کر توڑا اے  
بجیاں بے تاب ہوں جہن کو جلانے کے لیے  
میں نے جس ڈال کو تارِ آشیانے کے لیے

آنکھ مل جاتی ہے مہتا دو دہشت سے تری  
 ایک سیانہ ترا سائے نہ مانے کے لیے  
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں  
 لوٹ جائے آسمان سے مٹانے کے لیے  
 جمع کر خضرین تو پہلے دانہ دانہ چن کے تو  
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے  
 پاس تھانا کامی صیاد کا ہے ہم صغیر  
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے

اس چمن میں مرغ دل کا ہے نہ آزاد ہی حالت  
 آہ! گلشن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا  
 اور اس حیرت سے دام ہوا کیونکر ہوا  
 جانے حیرت پر اس کے نہ مانے کا ہوں میں  
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا  
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر  
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیونکر ہوا  
 ہے طلب بے تدعا ہونے کی بھی اک تدعا  
 مرغ دل و ام مست سے ہا کیونکر ہوا  
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے  
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر کیونکر ہوا  
 حسن کامل پہنچا ہوا اس بے حجابی کا سبب  
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نکال کیونکر ہوا  
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے در فراق  
 چارہ کر دیوانہ ہے میں لا ووا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت گُل  
ہو کے پیدا خال سے گھس قبائلوں کو  
پریش اعمال سے مقصد تھا سوانی مری  
وزندہ طائر تھا سبھی کچھ کیا سو اُن کو

میرے شے کا ماشا دیکھنے کی چیز تھی  
کیا باتوں اُن کا میرا سنا لیں گے



ان کو کھنڈی ضعیفے سارے زمانے سے نزلے ہیں  
یہ عاشق کون سی بستی کے یار رہنے والے ہیں  
صلح درو میں بھی دلی لذت پہ مرتا ہوں  
جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سونے کا کیا  
پھلا پھولا رہے یار بچن میری امیدوں کا  
جگر کا خون دے کر یہ ٹوٹے ہیں پلے ہیں  
رلاتی ہے مجھے اتوں کو خاموشی ستاروں کی  
نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نزلے ہیں  
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانان باد رہنے کی  
نہیں گناہی اچھی رستہ سب سے  
نہیں سیکڑوں میں بنا کر پھونٹ ڈالے ہیں  
امید جو نے سب کچھ بکھا رکھا ہے واعظ کو  
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں  
یہ حضرت دیکھنے میں ہے ساد بھول بھالے ہیں

مے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو  
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درگیز نالے ہیں



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی  
 ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی  
 منظر کو نہ ہو الپ گویا پیام موت  
 اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی  
 ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر  
 ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی  
 میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن  
 دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی  
 عذر آفرین جرمِ محبت ہے حسنِ دوست  
 محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی  
 چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہمیشیں  
 پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی  
 اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم  
 طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی  
 نطائے کو یہ حبش شکر کاں بھی رہے  
 زُلف کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا منے ہیں تمنائے شوق میں  
 دو چار دن جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے  
 مے بازار کی دنی ہی سوائے زیاں تک ہے  
 دوسے کشمیں فروغِ مے سے جو طرازِ بن جاؤں  
 ہوائے مل فراقِ ساتی نامہ رہاں تک ہے

۱۲۸  
 باقی ہے در  
 ۱۱۲



چمن افروز ہے صیاد میری خوش فوانی تک  
 وُشتِ خال ہوں فیضِ ریشانی سے صحر اہل  
 جرسِ مژگانِ لہ خوابید ہے سرِ گریہ میں  
 سکونِ دل سے سامانِ شوقِ کار پیدا کر  
 چمنِ ارجحیت میں شمشیرِ موتِ طعنے بس  
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تما بھی  
 رہی بجلی کی بے تابی ہو میرے آشیان تک ہے  
 نہ پوچھو میری وسعت کی نہیں آسمان تک ہے  
 یہ خاموشی مری وقتِ حیل کا رواں تک ہے  
 کہ عقد و خاطرِ لہرِ آب کا آبِ رواں تک ہے  
 یہاں کی زندگی پابندیِ سہمِ فغان تک ہے  
 ہمارے لہر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے لے نادانی!  
 سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ارداں تک ہے



جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں  
 حقیقت اپنی آنکھوں کی نمایاں جب جاتی اپنی  
 اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ حبسِ ساقی سے  
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیل ہے تو نے اے مجنون  
 مہینے وصل کے لہڑیوں کی صوت اڑتے جاتے ہیں  
 وہ نکلے میرے ظلمتِ خانہ دل کے مہینوں میں  
 مکانِ نکلا تھامے خانہ سول کے مہینوں میں  
 تو سب آستانِ تعبہ جا ملتا حبسینوں میں  
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں  
 مگر لہڑیاں جھٹاتی کی لڑتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا عرق سونے سے

چھپایا احسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جدا سکتی ہے شمع شہ کو موج نفس ان کی

تساویر دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہ پوچھ ان غرق پوشوں کی اراوت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہ نازک جس کے خطائے کو

کسی ایسے شے چھونک اپنے خرم دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹے ٹوٹے والا

سراپا احسن بن جاتا ہے جس کے حسن عاشق

پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے نامعہ فقاہر

نمایاں ہو کر لکھلائے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلتا نہیں اچھا

۱۳۰

باقی ہے در

۱۱۲

کہ جن کو ڈوبنا سو ڈوب جاتے ہیں سینوں میں

وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیر ناز سینوں میں

الہی الیا چھپا سوتا ہے دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں

وہ رونق انجمن کی ہے انھی خوت گزینوں میں

کہ خوشی قیامت بھی ہو یہ غم شہ چینوں میں

یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازک ابلینوں میں

بھلائے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی چینوں میں

ترا رتبہ ہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینوں میں

اوپر ہلا قریب ہے محبت کے قریبوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں      مری سادلی دیکھ لیا چاہتا ہوں  
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی      کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں  
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو      کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں  
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن      وہی من ترانی سنا چاہتا ہوں  
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل      چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بٹا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے      نیاز مند نہ کیوں عاجزی یہ نیاز کرے  
 ہٹھاکے عرش پہ رکھتا ہے تو نے اعظا      خدا وہ کیا ہے جو بندوں کے احترام کرے  
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساتی      جو پوشیاری ہستی میں امتیاز کرے  
 مدام کوشش بدل دے یہ ساز ہے ایسا      جو پوشکتہ تو پیدا نئے راز کرے  
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے      جو بے عمل یہ بھی حمت ہے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے  
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے  
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ نمبل  
جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے  
غرور نہ رہنے سکھلا دیا ہے واعظ کو  
کہ بندگانِ خدا پر زبانِ دراز کرے

پروا ہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال  
اڑاکے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل پر غمیرے غافل ہوں میں  
ٹٹے کیا اتنی کسی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں  
میں صبیح تک تھا کہ تیری جلوہ پرانی نہ تھی  
جو نہود حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں  
علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن کو ہر بدست  
وائے محرومی و خرف چہ لبِ ساحل ہوں میں  
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل  
جس کی غفلت کو ٹٹے ہیں غافل ہوں میں  
بزمِ ہستی اپنی آراش پہ ٹونا زاش ہو  
تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو  
آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دیا  
 واعظ اکمال ترک کے طعنے ہیں مراد  
 تقصیر کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی  
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر  
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق  
 شبِ نیم کی طرح ٹھولوں پہ پاؤں چمن سے چل  
 ہے عاشقی میں رسمِ لک سے بے بیٹن  
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے  
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل  
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر مدد  
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم  
 نقطے کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے  
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے  
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے  
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے  
 ہاسل نہیں ہے تو تو تروپت با بھی چھوڑ دے  
 اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے  
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے  
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے  
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے  
 شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے  
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ دنیا بھی چھوڑ دے

(۱) ...  
 (۲) ...  
 (۳) ...  
 (۴) ...  
 (۵) ...  
 (۶) ...  
 (۷) ...  
 (۸) ...  
 (۹) ...  
 (۱۰) ...

۱۳۲  
 باقیه  
 ۱۱۸



# حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۵  
پانچویں  
۱۱۹

حاضر  
دستبرد سواد برکات  
اد  
الحکیم

آجا چتر ترا اردون کی ابرو - تو بول کنول ہاتھ تری بول  
بدلے سا جو ترے سر سے ملے غائب - ماقبہ ترکہا پر صلح اُردو  
کے ہر طرف سے اردو کی طرف - ماقبہ ترکہا پر صلح اُردو

ان کا نام جیسا  
میں ہم بھرت زور لگاتے

میں ہم بھرت زور لگاتے

تو دیکھتا ہے جیسے تاروں کا خاک کی طرح - تو دیکھتا ہے جیسے تاروں کا خاک کی طرح  
ہاتھ کر دے ہر پہلو پر - ہاتھ کر دے ہر پہلو پر  
آپ کی طرف سے ہر پہلو پر - آپ کی طرف سے ہر پہلو پر

مرا درخت رو دیکھ کر

مرا درخت رو دیکھ کر

ان کا نام جیسا

# محبت

عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے  
 قمر اپنے لباس نو میں بیکار سا لگتا تھا  
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا  
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی بہت اگلیا  
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا تھا  
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہِ کفایت  
 نگاہیں مال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی  
 بڑھا تبیعِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب  
 پھر ایا فکرِ بزلنے اُسے میدانِ امکان میں  
 چمکے تارے مانگی چاند سے رُغِ جگر مانگا  
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے پسینگی پائی  
 ذرا سی پھر بوبتیکے شانِ بنیادی لی  
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے  
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمسِ امینِ سلم سے  
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے  
 یوید اتھی طینے کی تنہا چشمِ حاتم سے  
 صفا تھی جس کی خالِ پائین بڑھ کر ساغرِ جم سے  
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے  
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ اعظم سے  
 تناتے کی آخر برآتی سہی پیسہ سے  
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے  
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے  
 حرارتِ لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے  
 ملک سے عاجزی افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو لکھو لاپشہ حیوان کے پانی میں  
موتوں نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا  
مگر کتب نے محبت نام پایا عشر عظم سے  
گرہ لکھولی ہنسنے اس کے گویا کار عالم سے  
ہر جہش عیان و قوس نے لطف خواب کو چھوٹا  
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہوم سے

خرام ناز پایا افتابوں نے ستاروں نے  
چٹک غنچوں نے پانی داغ پاتے لاکہ زاروں نے

## حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا  
ملا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا  
جہاں میں کیوں شے مجھے تونے لازوال کیا  
شب و از عدم کا فسانہ ہے دنیا  
وہی حسیں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی  
فلک چم ہوا اختر سحر نے سُنی  
کسیں قریب تھا، نیست گو قمر نے سُنی  
سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبنم کو  
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے  
چمن سے و تا ہوا موسم بہار لیا  
جہاں میں کیوں شے مجھے تونے لازوال کیا  
شب و از عدم کا فسانہ ہے دنیا  
وہی حسیں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی  
فلک چم ہوا اختر سحر نے سُنی  
کسیں قریب تھا، نیست گو قمر نے سُنی  
سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبنم کو  
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے  
چمن سے و تا ہوا موسم بہار لیا

# س

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ تمش سے آشنا  
بزمِ گوشِ شمعِ بزمِ حاصلِ نو ساز و  
شانِ کرمِ پر ہے مدارِ عشقِ کرہ نشا کا  
ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و  
صوتِ شمعِ نور کی ملتی نہیں قبائے  
جس کو خدا نہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے  
تائے میں و قمر میں و جہد و کدھر میں و  
چشمِ نظارہ میں نہ ٹوٹے رے اعتبارے  
عشق بندِ بال ہے رسمِ مروتِ نیاز سے  
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جابِ نیازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشا ہے اثر  
اس میں و کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز  
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ نهن بل لیتی  
اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

## سوامی ام سیرتھ

سہمِ بغلِ دریا سے ہے اے قطرِ برباب تو  
پہلے کو ہر تھا بہت اب کو ہر نایاب تو  
آہ لہو لاکس ادا سے تو نے رازِ رنگِ بو  
میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیارِ رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شر محشر بنا  
 یہ شرار و بھج کے آتش خانہ آزر بنا  
 نفی ہستی ال کر شمر ہے دل آگاہ  
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'الا اللہ' کا  
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجم ہے  
 تم لہنتی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے  
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق  
 ہوش کا دار ہے لویا ہستی سنیم عشق

## طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور یہ پیام اور ہے  
 عشق کے درمیں کلام اور ہے  
 طاہر زبرد ام کے نام لے تو سن چکے ہوں  
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے  
 اتنی تھی کوہ سے صہدار از حیات ہے سکوں  
 کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے  
 جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ جبار کا  
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظم اور ہے  
 ہوتے ہیں عیشِ جاوداں فوق طلب الرنہ  
 شمعِ سحر یہ کہ لہنتی سوز ہے زندگی کا  
 گروشیں آدمی ہے اور گردشِ عالم اور ہے  
 عنم لہ نہود میں شرط و دام اور ہے

باوہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا بھی  
 رہنے چشم کے سر پہ نیم خشتِ کلیا بھی

۱۲۰

بانگ درا

۱۲۲



## خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا      علی نگاہِ مکر فر صستِ نظر نہ ملی

ہوئی ہے زندہ دم آفتاب کے پرشے      اماں مجھی کو تیرا مینِ سحر نہ ملی

بساطِ لیا ہے بعدِ صبح کے ستکے کی

نفسِ حباب کا تابندگی شراے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسین بھرا      غمِ فنا ہے تجھے لہندِ فلک سے اتر

ٹپکِ بند ہی کر دوں سے ہر شہِ بنم      مرے یا ضیٰ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغیاں ہوں محبتِ بہا ہے اس کی

ہنا مشالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

## حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سینِ ستر      نورِ خورشید کے طوفان میں منگنا ہم

جیسے ہو جاتا ہے لُٹ نورِ کلمے کے لُٹِ خیل      چاندنی است میں متا کب ہم رنگِ نعل

۱۲  
ہفت روزہ  
۱۲۵

جسودہ طور میں جیسے یہ بیضاتِ کلیم  
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سبیل محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محفل ہے تو ہنگامہ محفل ہوں میں  
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں  
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری  
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفقِ تو میری  
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے  
ترے تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہب  
میرے بے تاب تخیل کو دیا تو نئے فستار  
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں  
نتے جو ہر سوئے پیدا مے اتینے میں  
حسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرک لال  
تجھ سے سرسبز ہے میری امیدوں کے نہال

قائدِ ہویا اسودہ منہ دل میرا

...لی لو د میں بلی و لیہ ل

تجھ کو زودیدہ نگاہی یہ بکھا دی کس نے  
رمزِ آغازِ محبت کی بتا دی کس نے  
پہرہِ اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی  
نیل انکھوں سے نکلتی ہے فکاہ کیسی

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے  
 آنکھ تیری صفت آنکھ جیسا کہ ہے کیا  
 مارتی ہے انھیں پونچوں کے عجب ناز ہے یہ  
 شوخ تو ہولی تو لودھی سے تاریں گے تجھے  
 کیا تبس ہے تجھے کس کی مٹاتی ہے  
 خاص انسان سے چرخ حسن کا احساس نہیں  
 شیشہ دہر میں ماندے تاب ہے عشق  
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کس ہے اس کی  
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے  
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا  
 چھوڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ  
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے  
 آہ! کیا تو بھی اسی پسینہ کی سوداگری ہے  
 صورت دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں  
 زورِ خورشید ہے خونِ دل ہوتا ہے عشق  
 نوریہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے  
 کہیں لہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب لکھاتی ہے سحرِ عارضِ رنگیں اپنا  
 جدو آتشِ ام ہے یہ صبح کے مغلز میں  
 لکھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا  
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سناں مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے  
کس قدر سینہ شگافی کے لئے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب  
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب  
تیرے جلوے کشمیں چومے سینے میں  
عکس آباد تیرے راسے کتنے میں  
زندگی ہو ترانہ مہرے دل کے لیے  
روشنی ہو تیری لہوار مے دل کے لیے  
ذرہ ذرہ ہوا پر طرب اندوز حیات  
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوزِ حیات  
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں  
صفتِ غنچہ ہم آغوش ہوں دُور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں  
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

## چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سرے  
تارے کہنے لگے تھرے  
نظارے ہے وہی فلک پر  
ہم تھک بھی گئے چوک چوک  
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا  
چلنا، چلنا، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے  
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تاکے انسان شجرِ حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ سفر کیا  
منزل کبھی آئے گی ظن کیا

کنے لگا چاند، نیم شبینو اے مریع شب کے خوش چینیو  
بُخشب سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی  
ہے دوڑتا شمس زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس وہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے  
چلنے والے نکل گئے ہیں جو شہرے ذرا، نکل گئے ہیں  
انجام ہے اس خرام کا حسن آغا ہے عشق، نہتہا حسن

## وصال

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے عجب بل مجھے خوبی قسمت سے آخر گل کیا وہ گل مجھے  
خود تڑپاتا تھا چمن الوں کو تڑپاتا تھا میں تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سہما تھا  
از تکاب جرم الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی  
صبح میری آہنہ در شب بیکجور تھی

از نفس و سینه نگوں شتہ نشتر دہم

زیر خاموشی نہاں غوغاے محشر دہم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں  
اہلِ طُشَن پر لہراں سیری خزلِ غوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے  
کھیلنے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے

خازنہ الفت سے یہ خال سیدہ اُمینہ ہے  
اور آئینے میں عکس ہمدیم و یرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی  
دل کے ٹٹ جانے سے سیرے لکھری آبادی ہوئی

صُورے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے  
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک لفظ نہ کر دی آدابِ فنا و نحوئی

اے خنکِ روزے کہ خاشاکِ مرا و اسوئی





# سُلیٰ

جس کی نمود و بکھیں چشم ستارہ ہیں نے  
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں  
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا  
شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانگین میں  
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا  
شبِ بنم کے موتیوں میں، ٹھوٹوں کے پیرہن میں  
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر  
ہنکا مرہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں  
ہر شے میں ہے نمایاں تو جمال اس کا  
انکھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



# عاشق ہر جانی



ہے عجب مجموعہ اضمحلال تو  
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا  
 ہم شیش تاروں کا ہے تُو رفتِ پُرانے  
 صینِ شغلِ بے میں پیشانی ہے تیری بجز  
 مثلِ بونے گلِ بکاسِ گناہِ عریان ہے تو  
 جانبِ منزلِ واں بے نقشِ پاماندِ موج  
 خُسنِ بانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے  
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تصنیفِ پردا  
 ہے حسینوں میں فنا نا آشتِ تیرا خطاب  
 رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے  
 زینتِ گلشن بھی ہے آتشِ صحرا بھی ہے  
 اے زمینِ فرسا، قدمِ تیرا فلکِ پیا بھی ہے  
 کچھ ترے مسک میں گلابِ شربِ دنیا بھی ہے  
 ہے تو حکمتِ آفرینِ لیکن تجھے سوا بھی ہے  
 اور پھر اُفتِ اوٹلِ حاصلِ دیا بھی ہے  
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے  
 تو کبھی ایک آستانے چہرہ فرسا بھی ہے؟  
 اے تلونِ کیش! تو مشہور بھی رسوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں حادثِ سیما تو  
 تیری بجاتی کے صدقے ہے عجب یہ تاب تو

۱۲۸  
 مانگے رو  
 ۱۳۲

عشق کی آشفتنی نے کر دیا صحر ہے  
 ہر خانوں اس کے پہلو رنگ پہ پہلو کا  
 دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کی رستخیر  
 آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے  
 گو حسین باز ہے ہر لحظہ مقصود و نظر  
 بے نیازی ہے یہ پیدامیری فطرت کا نیا  
 موجب کہیں تماشائے شاد و جستا  
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس نمودش  
 جستجو کل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے  
 زندگی اُفت کی درونجا میوں کے ہے مری  
 سچ اگر پوچھے تو افلاک تسخیل ہے وفا  
 فیض سانی شبہم سنا طرف دل دریا طلب  
 مجھ کو پس اگر کے اپنا گتہ چسپ کیا

مشتِ خال ایسی نہاں زیر قبا رکھتا ہوں میں  
 سینے میں یہ کالوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں  
 کیا خبر تجھ کو دُورینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں  
 مضطربِ جن دل گون نا آشنا رکھتا ہوں میں  
 حسن کے مضبوط پیمان وفا رکھتا ہوں میں  
 سوز سازِ جستجو مثل صبا رکھتا ہوں میں  
 ہر نہیں سکتا کہ دل برق آشنا رکھتا ہوں میں  
 آہِ ابدہ کامل تجھ بتلی مدعا رکھتا ہوں میں  
 حسن کے پایاں ہے در و لاوار رکھتا ہوں میں  
 عشق کو آزاد و ستور وفا رکھتا ہوں میں  
 دل میں ہر دم الٰہ نیا محشر پیا رکھتا ہوں میں  
 تشنہ اتم ہوں تشنہ زیر پا رکھتا ہوں میں  
 نقشِ حُسن اپنے مصوے ظاہر رکھتا ہوں میں

تجربہ کر کے دیکھو۔۔۔

سوتوں کو ندیوں کا شوق بھر کا ندیوں کو عشق

حسنِ ازل کہ پردہ لالہ و گل میں ہے نہاں کہتے ہیں بے

راز حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

پش ماہِ تمام کے لیے

فرار ہے جلوۂ عام کے لیے



# نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش  
جس کی ہر رنگ کے غموں کے لیے لبرِ زائغوش  
بربطِ کون مکان جس کی خموشی پیش  
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں غموں کے مزا  
عشرستانِ نوح کا ہے میں جس کا سکوت  
اور منت کشش منہ کا نہ میں جس کا سکوت

آہِ آئید محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹِ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ مگر کبھی  
سمتِ گردوں سے چوئے نفسِ محو کبھی  
چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات  
جس سے ہوتی ہے ہمارا روح گرفتارِ حیات  
نغمہِ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے  
اشک کے قاف سے کو بانگِ دُعا اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



# عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اہل ہے پیامِ عیش و سرور  
 نہ کھینچ نکتہ کیفیتِ شرابِ طہور  
 فراقِ خور میں جو غم سے پہلکار نہ تو  
 پرمی کو شیشہء الصفا میں اُتار نہ تو  
 مجھے فرغیتہ ساقی جمیل نہ کر  
 بیانِ خور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر  
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں  
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے  
 وہ حسنِ لبیک کہ جو محتجِ چشمِ بیاہو  
 وہ عیشِ ہمیش نہیں جس کا انتظار ہے  
 نوؤ کے لیے منت پذیر نہ رہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا  
 عقیدہء عشرتِ امروز ہے جوانی کا

## انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا  
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا



بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے لے لکھ میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بحرِ جاوہِ پیا

بادل کو چوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تفتدیر زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیامِ بر خیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذت کیسے وجود ہر شے سرست سے نمود ہر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

## جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تفتاب ہے پالتا ہے جسے آغوشِ تختل میں شب

ابدی بنتا ہے عیسا لم فانی جس سے  
 ایک افسانہ نگہیں ہے جوانی جس سے  
 جو سکھاتا ہے ہمیں سرب لریاں ہونا  
 منظر عیسا لم حاضر ہے لریاں ہونا  
 دُور ہو جاتی ہے احوال کی خامی جس سے  
 عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں  
 خاتم دہر میں یارب نگہیں ہے کہ نہیں

## ایک شام

(دریلے نیلے ہائیڈل برگ کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی  
 شاخیں ہیں خموش ہر ٹھہری  
 وادی کے نوا فروش خاموش  
 گسار کے سبز پوش خاموش  
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے  
 آنکھوں میں شب کے سولتی ہے  
 کچھ ایسا سکوت کافوں ہے  
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے  
 تاروں کا خموش کارواں ہے  
 یہ قافلہ بے درواں ہے  
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا  
 قدرت ہے مڑتے ہیں گویا

۱۵۲

بانگ درا

۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا  
 آغوش میں غم کو لے کے سو جا

## تنہائی

تنہائی شب میں ہے حزن کیا      انجم نہ تیں سے نیم شیں کیا؟  
 یہ فہستہ آسمانِ جاہوش      خوابید زمینِ جاہوش  
 یہ چاند، یہ دشت و ذریہ لہا      فطرت ہے تمام سترن زار  
 موتی خوش رنگ، پیارے پیارے      یعنی تیرے آسوں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل!  
 قدرت تری نیم نفس ہے اے دل!

## پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کار و درویش! میں نازِ ہوں، تو نیاز ہو جا  
 میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیرِ لڑووں کمالِ شانِ سکندری سے  
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آتے سازِ ہوا  
 غرض ہے پیکارِ زندگی کے کمالِ پاتے ہلالِ تیرا  
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو، اداِ مثالِ سازِ ہوا  
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری  
 و فوراً مل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامنِ ورازِ ہوا  
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے محسوسِ انورِ دیوں کا  
 جہاں میں مانندِ شمعِ سوزاں میانِ محسوسِ گدازِ ہوا  
 وجودِ انداد کا مجبازی ہے، ہستیِ قوم ہے حقیقی  
 فدا ہو وقت پہ یعنی آتشِ زینِ طلسمِ مجازِ ہوا  
 یہ ہند کے فرستہ سازِ آفتابِ آذری کر رہے ہیں گویا  
 بچا کے دامنِ بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجازِ ہوا



# فراق

تلاشِ گوشہ عزلت میں پھر رہا ہوں میں  
 یہاں پہاڑ کے دامن میں آنکھیں پھاہوں میں  
 شکستہ گیت میں شیموں کے دلبری ہے کمال  
 دہلتے طفلِ گنفتار آزما کی مثال  
 ہے تختِ لعلِ شفق پر جدوسرِ خستِ شام  
 بہشتِ دیدہ بہینہ ہے حسنِ منظرِ شام  
 سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے  
 یہ کیفیت ہے مری جانِ شکیبائی  
 مری مثال ہے طفلِ صغیر تنہائی  
 اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرودِ آغاز  
 صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز  
 یونہی میں دل کو پیامِ شکیبہ دیتا ہوں شبِ فراق کو لویا فریب دیتا ہوں

# عبدالقادری کے نام

اٹھ کر ظلمت ہوئی پیدا افقِ صا و پر  
 ایک نہ یاد ہے مانند سپند اپنی بے با  
 اہل محفل کو کچھ سادیں اثرِ ضعیفِ عشق  
 جلد وہ یوسفِ لہم گشتہ دلہا کران کو  
 اس پس کو سبقِ آئین ہو گا دے کر  
 رختِ جانِ بت کدہ چس سے اٹھا لیں اپنا  
 دیکھ ایشیرب میں ہو امانتِ لیلیٰ بیکار  
 بادہ دیرینہ ہوا و گرم ہوا یہ کدہ لدا  
 گرم رکھتا تھا ہمیں سڑی مغرب میں جو داغ  
 شمع کی طرح جیسے بنم لہ عالم میں  
 بزم میں شمع نہ نوا آتی سے اُجبالا کر دیں  
 اسی ہنگامے محفل تہ و بالا کر دیں  
 سنا اموز کو اسی نہ و نہ کر دیں  
 تپشِ آلودہ تر از خونِ زلیخا کر دیں  
 قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کر دیں  
 سب کو جو مرغِ شمع لہی و سنبل کر دیں  
 قیس کو آرزو تے نو سے شناسا کر دیں  
 جلد شیشہ پیمانہ و ہینا کر دیں  
 چیر کر سینہ سے وقف تماشا کر دیں  
 خود بدین و یقین غیب کار کو بنیا کر دیں

ہر چہ در دل لند و وقفِ زبانِ اردو شمع  
 جو تن نیست خیل کے نہ نہاں اردو شمع

۱۵۸

ہاگہ سے در

۱۷۲



# صفت

(جزیرہ سیلی)

روئے اب دل لہول کرے یہ غنایا  
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزا  
تھایاں منگھ ماراں صحرائیںوں کا بھی  
بحرِ باری کاو تھا جن کے سفینوں کا بھی  
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے  
بجلیوں کے اشیاء نے جن کی تلواروں میں تھے  
اک جہان بازو کا پیناں تھا جن کا ظہور  
لکھا لسی عصرِ کائن کو جن کی تیغ ہاں سب  
مزدہ عالم زندہ جن کی شویش کسم ہوا  
آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلہ جس کے لذت لیرا تک لاشے

کیا وہ بکیرا ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

آہ اے سیلی ہمنہ کی ہے تجھ سے آبرو  
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو  
زیب سے خال سے خوار و ریا کو رہے  
تیری شمعوں سے تسلی بحرِ بیا کو رہے  
پوشک بک چشم مسافر پر تر اظنہ مدام  
موجِ رقعات سے رسال کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا

حُسنِ عالم سوزِ جس کا آتشِ نظر تھا

نما کر شہرِ ایزد کا میل ہوا بعدِ ادھر

داغِ رویا خون کے آنسو جب ان کا دھڑ

اسماں نے دیکھا نہ ماطہ جب برباد کی

ابنِ بدلوں کے دلِ ناشائستہ کی

غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا کیا ماتم ترا

چن لیا تعست دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے تم کے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان

تیرے حُسن کی خموشی میں کچھ اندازِ بیاں

درواںِ مجھ کے کتے میں بھی سرِ پا دروہوں

جس کی تو منزل تھا میں اس کا دھڑ

زنگِ تصویرِ نہیں میں بھر کے لکھنا ہے مجھے

قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپا ہے مجھے

نہیں ترا شمعِ سوتے ہندوستانِ بے جاؤں کا

خود یہاں و اماں ہوں اہوں کو وہاں رُلاؤں گا



# عزلیات



زندگی انساں کی لوم کے سوا کچھ بھی نہیں  
 گُل تبسم لہہ ہا ہست زندگانی کو مگر  
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں  
 شمع بولی، بریہ عنسم کے سوا کچھ بھی نہیں  
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو  
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں  
 زائران کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی  
 کیا محرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں



الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی دیوانی بھلاوے  
 مدحبت کا سو مجھ کو توبہ صبح ازل فرشتے  
 اسے سووائے بخیرہ کاری مجھے سر پہ ہرین نہیں ہے  
 مثال شمع مزار ہے تو تری کوئی انجمن نہیں ہے

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدین آتش ہے لے لے  
وہ چیز تو مانگتا ہے مجھے کہ زیرِ پرچم نہیں ہے  
نرالا ہے جہاں کہ اس کو عرب کے مہمان نے بنایا  
بنا ہے حصارِ ملت کی آتش و وطن نہیں ہے  
کہاں کہانا کہاں جانا فریب ہے اختیارِ عقی  
نمودہ شے میں ہے ہماری کہیں ملک و وطن نہیں ہے

مذہبِ مخزن سے کوئی اقبال عالم میرا پیام لے دے  
جو کام کچھ کر ہی میں میں انھیں باق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا نعتِ کا  
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا  
جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے تاتم ہے شانِ میری  
گھر یہ بولا صد نشینی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا  
نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں شہوت  
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کُنارِ جو کا  
کوئی دل ایسا نطرنہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا  
الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنہ ہے آرزو کا

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۶

کھسلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو جس سراپا  
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتقا کو ہے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں  
نکدہ کو نظارے کی تناس ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا  
چمن میں گلچیں سے غنچہ کھلتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان

ترمی نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سب کو کا  
ریاض ہستی کے فترے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقتِ گل کو ٹو جو سمجھے تو یہ بھی پمیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا

پنیر کوئی دھیت ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر

ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریب خوروں ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نول نشتر سے ٹو جو چھیرے

یقین ہے مجھ کو لرے دل گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

کیا ہے تفتد کا زمانہ مج از رخت سفر اٹھاتے  
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یا را ہے گفست کو  
 جو لھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ مخزنوں عزیز میرے  
 مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی ابرو کا



چمکتی تیری بلی میں آتش میں شرار میں  
 بلند سی آسمانوں میں زمینوں میں ہی پستی  
 شریعت کیوں نمایاں کیر سو ذوق تکلم کی  
 جو ہے بیدار انساں میں لہری منید سوتا ہے  
 مجھے ٹھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے  
 نہیں صنیں تو اسبِ آخرت کی آرزو مجھ کو  
 سکونِ نا آشتی نہ رہا اسے سامانِ ہستی ہے  
 جھٹکتی ہی بید چاند میں موج میں تارے میں  
 روانی بھر میں فست و لی تیری کنارے میں  
 چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں  
 شجر میں مھول میں حواں میں شجر میں تارے میں  
 غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شرارے میں  
 وہ سوا کرتوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں  
 تڑپ کس دل کی مار چھپ کے ابٹھی ہے مارے میں

صدائے لہرانی سنے اے اقبال میں چپ رہا  
 تقاضوں کی کمال طاقت ہے مجھ فرقت کے ملے میں



یوں تو ہے بزمِ جہاں بولش تھے نگارے  
 ال ذرا افسردگی تیرے ہاشاؤں میں تھی  
 پالنی آسوی کوئے محبت میں وہ خال  
 مد توں آوارہ جہالت کے صحراؤں میں تھی  
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند  
 پردہ انگور سے نکلی تو سیناؤں میں تھی  
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم  
 اتنی نادانی جہاں سائے اماؤں میں تھی  
 میں نے اے اقبال کو یہ میں اُسے صوبہ  
 بات جو ہندوستان کے ماہ سیاؤں میں تھی

مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں  
 یہی سازِ ادا صبح و شام کرتے ہیں  
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے عظیم تری  
 شجرِ حبر بھی خدائے کلام کرتے ہیں  
 نیا جہاں کوئی اے شمعِ اڑھوٹے کی یہاں  
 ستم کشن پیشِ نام کرتے ہیں  
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی  
 کہ خوشنواؤں کو پایہ نام کرتے ہیں  
 غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی  
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں  
 بھلا نہجے کی تری ہم سے کیونکر اے وعظا  
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیر پیرانِ حق پوش میں کیا  
 کہ الٰہی سے جو انوں کو رام کرتے ہیں  
 میں اُن کی محفلِ عشرت کے کانپ جاتا ہوں  
 جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں  
 پرے ہو وطنِ مازنی کے سید انوا  
 جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نیاز کبھی پڑتے ہیں سزا اقبال  
 بھاکے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۶ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام ویدار یار ہوگا  
 سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا  
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پیئے  
 بنے کا سارا جہان مین نہ، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا  
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے  
 برہنہ پانی وہی رہے گی، مگر نیاحت زار ہوگا

سنا دیا گوش منتظر کو جب زکِ غاشی نے آخر  
جو عمدہ سہراتیوں سے باندھا لیا تھا، پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اٹھ دیا تھا  
سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر پوشیار ہوگا

کیا مرا تہ کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں  
تو پیرِ حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا  
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا  
تمہاری تہذیب اپنے پنجہ سے آپ پر غوثی لے گئی  
جوشِ ناخ نازک پہ اشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

سفینہ برکِ گل بنائے گا قافلہ نورِ ناتواں کا  
ہزار موجوں کی چوٹ کششِ مریہ دریا سے پار ہوگا  
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغِ اپنِ کلی کلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھالے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا  
 یہی الکلیفیت تھے سیری تو پھر کے استبار ہوگا  
 کہا جو قمری سے میں نے اُن یہاں کے ازاد پائیل ہیں  
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز دار ہوگا  
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے ہارے  
 میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا  
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل بے حجب و حیا  
 رہے کی کیا آبرو پساری جو تو یہاں بے قرار ہوگا  
 میں ظلمتِ شب میں اے کے نکلوں گا اپنے درمند کا دواں کو  
 شرفشاں ہوگی آہ سیری نفسِ عاشق بار ہوگا  
 نہیں ہے غم سے از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا  
 تو اُن نفس میں جہاں سے بٹنا تجھے مثال شرار ہوگا  
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی  
 کہیں سرگزار مہیشا ستم کشِ منتہا رہوگا

خدمت سوم

(۱۹۰۸ء سے ....)

۱۴۹  
بانگ درا  
۱۵۳

(۲) سرورم دنی ز غم و درد هم رفته به - ز رشت در شمع بپوشیده در ابدی  
 پاک در آتش رفته و پیرایه زخم - مانع از جلت و سیم بر در کوزه بر  
 زنجیر از کرم خرم خرم خرم خرم - نعل حرام و کعبه ملکوت پرده  
 دکان ترانه پند بر لب شمع و شمع  
 مدح و مدح و مدح و مدح و مدح و مدح

(۳) جز بارت نامم گو جان از بهر (در کرات و اگر مقدار بر بندازم)  
 یزید مدح و مدح و مدح و مدح و مدح و مدح - لاله و لاله و لاله و لاله و لاله و لاله  
 خاک بر شمع و پیرایه زخم و زخم - خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده  
 جگر خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده  
 و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده

(۴) به زخم خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده - خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده  
 به زخم خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده - خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده  
 دور در دهم زنده سیکر و سیکر - چل و چل و چل و چل و چل و چل  
 خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده  
 خنده و خنده و خنده و خنده و خنده و خنده

۱۴۰  
 بانگ و دلا  
 ۱۵۲



## بلا و اسلام

سُز میں تل کی سجودِ دل غم دیدہ ہے      دُستِ فتنے میں لہوِ اسلاف کا خوابیدہ ہے  
پاک اس اُجڑے مَکستان کی نہ پوئو نگریا      خانمتِ عظمتِ اسلام ہے یہ سُر میں  
سوئے ہیں اس خالِ غمِ یہ لام کے تاجِ اُدا      نظمِ عالم کا راجن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک لڑیِ محنت کی لڑ

جل چکا حاصلِ مگر محفوظ ہے حاصلِ لڑ

نئے یارت کا ہر گم کہ جہاں اب بھی      اس کمرِ است کا مرقعِ اسے بند ابھی

یہ چمن وے کہ تھا جس کے لیے سامانِ نا      لالہ صحرے کہتے ہیں تہذیبِ باز

خالِ اس سب کی پوئو نگریا نہ ہمدوش اہم      جس نے دیکھے جانشینِ سیمِ کبرِ قوم

جس نے غنچے تھے چمنِ سامانِ و گلشنِ پہیسی

کانپتا تھا جن کے رومانِ ان کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور  
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی شمعِ طور  
بچھ کے نرم ملتِ بھینا پریشاں کرتی  
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زراں کرتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ زمینِ پاک ہے

جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی رنم نال ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصیر کا دیا  
مہدی اُمت کی سطوت کا نشان پائدا  
صوتِ خالِ رسم یہ زمین بھی پاک ہے  
استانِ سدا کے شہرِ لولائے  
نحستِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا  
ثربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سدا ملتِ اسلام کا دل ہے شیر

سیکڑوں صدیوں کی نشوونما حاصل ہے شیر

وہ زمیں ہے تو گراے اب گھٹن فدا  
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجی  
جس کے ہن میں ماںِ قوامِ عالم کو ملی  
تجھ میں احساںِ شاہِ عظمیٰ کو ملی  
وید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا  
نامِ یوا جس کے شاہِ شاہِ عالم کے ہوتے  
اپنی عظمت کی دلاوت گاہ تھی تیری زمیں  
ہے القومیۃ اسلامِ پابِ مقام  
جس کے ہن میں ماںِ قوامِ عالم کو ملی  
جانشینِ قصیر کے وارثِ سندِ جم کے ہوتے  
پہنڈی بنیا ہے اس کی نفاس ہے ہشام

۱۷۲  
بانٹ سے دور  
۵۶

اگر شرب و سکر کا شواہد ہے تو نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گھر شبنم بھی ہیں

## ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہ سخت تر تجھ کو مالِ حسن کی کیا بل لیتی خبر تجھ کو؟

مبارع نور کے ٹٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہر اس فنِ صورتِ شر تجھ کو؟

زمین سے فوڑ یا آسمان نے گھر تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبائے زرتجھ کو؟

غضب ہے پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے لڑتی ہے

چمکنے والے مسانہ عجیب یہی ہستی ہے جواج ایک کانپے دوسرے کی پستی ہے

اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر فنا کی پسند میں زندگی کی ہستی ہے

وہ غنچِ چہر میں ہے از آفرینشِ گل عدمِ عدم ہے کہ آئینہ و اہستی ہے!

سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

## دوستارے

اے جو قراں میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے  
 یہ وہ سال دہام ہو تو کیا خوب انجام خستہ نام ہو تو کیا خوب  
 تھوڑا سا جو سر ہاں فلک ہو  
 ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو  
 لیکن یہ وہ سال کی قسمت پیغام خستہ نام ہو تو کیا خوب  
 گردش تاروں کا ہے ہمتد ہر ایک کی راہ ہے ہمتد  
 ہے خواب شبانہ اشنانی  
 آئین جہاں کا ہے حبدائی

## گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ خستہ دیرینہ ہے کچھ عطرِ جاں حسین ماہ کا آئینہ ہے  
 چاندنی بھکی ہے اس نظارہ خاموش میں صبح صادق سوہی ہے رات کی آغوش میں

۱۷۲

ہفتا گیتے

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی      بریدِ قدت کی جھمی سی نواس ہے خاشی

باطن پر وزہ عالم سرا پا درو ہے

اور حشاموشی لبِ پستی پہ کس ہے

آہِ جولاں کا عالم غیر یعنی وہ حصار      روشن پر اپنے اٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بابا  
زندگی سے تھا کبھی سوا بستان ہے      نیم شوشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے نشانِ گنہ کی خال کا دلادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے رُوزن سے ہالائے بزمِ آسمان      ناخِ عالم ہے بزمِ بزمِ آسمان  
خالِ بازویِ مستِ دنیا کا منہ پٹنہ ہے      دستانِ کامی انساں کی ہے بزمِ آسمان  
پے ازل سے سیا فرشتے منزلِ عارِ ہا      آسمان سے نعتِ دلا بون کا تماشِ کھیتا  
گسٹوں مکن نہیں عالم میں خست کے لیے      فتحِ خاندانی کو ٹھیس سر ہے مگر بھر کے لیے

زندِ آپِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں غنِ شستہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گئے شاہوں کی ہے مینزلِ حسرت فزا      دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ گلوں کراوا

ہے تو گورستان طرہ خال لڑوں پایہ ہے  
اوہ بال برشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے  
مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر  
جنشیں شگاہاں سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اثر سکتی نہیں آتے تختہ میں

سوئے ہیں خاموشن آبادی کچھ گاموں کے دور  
مضطرب کھتی تھی جن بو آرزوئے نامسبور  
قبر کی غفلت میں ہے ان فست ابوں کی چمک  
جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں ترغدا  
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی غفلت کا مال  
جن کی تدبیریں مانی سے ڈرتا تھا زوال  
عجب فغویٰ ہو دنیا میں کہ شان قصیری  
مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوشش کہی

بادشاہوں کی بھی پشت عمر کا حاصل ہے گلو

جادو غفلت کی گویا آخری منزل ہے گلو

شورشیں ہم سب کر کیا غم و غم کی تفتیر کیا  
درومنہ ان جہاں کا مالہ شب گیسر کیا  
عرصہ پہ چکار میں ہنگامہ شیر کیا  
خون گلو لہا مانے و انفعہ قہر کیا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ سوراں میں جان فیرت آسکتی نہیں



روحِ مُبْتَلَا خال میں جست کش سداوے  
کوچہ مرنے نہ ہوا جس دم نفس نہ ماریے  
زندگی انساں کی ہے طانت مرغِ خوشنوا  
شاخِ پریشاں کوئی دم چھپایا اڑ گیا  
اے! لیا آئے ریاضِ ہر میں ہم لیا لے  
زندگی کی شاخ سے ٹھوٹے کھسے، مڑھالے

موت ہر شاہ و لدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدائندار  
اور اس دنیائے بے پایاں کی جو بس میں مینا  
اے جو حسنِ خون کو کہ ہے زندگی بے اعتبار  
یہ شرارے کا ستم خیرِ آتش سوا  
چاند جو صہوتِ گریہ کی کالِ اعجاز ہے  
پہنے سیما کی قبلا محو نہ ام ناز ہے  
چرخِ بے نجم کی دہشتِ نالِ وسعت میں مگر  
بیکسی اس کی کوئی دیکھے فراقتِ بحر

اے فراسا ابر کا مگر ہے جو ہستاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو جس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار  
زلمتِ فترت کی تصویر ہے ان کی ہستاب  
اس زبیاں خانے میں کوئی ملت گزروں وقار  
رہ نہیں سکتی ابد تک بار و دوشِ روزگار  
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خول کر جہاں  
دیکھتا ہے عتسائی سے ہے منظرِ حیران

ایک صوٹ پر نہیں رہا کسی شے کو قرا  
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے ملکینِ ہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہر  
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل بٹ گئے باقی نشان تک بھی یہ  
دفترِ ہستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

آدیا ہر ایراکِ اہل کی شام نے  
عظمتِ یونان و مالوٹ لی ایام نے

آہِ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں کے ایرِ آذاری اٹھا برس گیا

ہے گلِ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی  
کوئی سوج کی کرنِ چشم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ دریا شمعوں کے لیے لہوار ہے  
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

مجزئیہ سے صنوبرِ جوہر آئینہ ہے  
غنچہ گل کے لیے باوہارِ آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئلِ باغ کے کاشانے میں  
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اوپر بلِ مہربانِ رنگیں نوائے ہرستاں  
جس کے دم سے زندہ ہے گویا جوئے ہرستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے  
خاصہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جیسے گلستانِ لہو کے ہیں      واوی لہار میں نغمے شبانِ لہو کے ہیں  
زندگی سے یہ پرانا خالِ اس مسور ہے      موت میں بھی زندگانی کی تڑپِ مسور ہے  
چمکیاں بھولوں کی لڑتی ہیں اس طرح      دستِ طفلِ خستہ سے زنجیر کھلونے جس طرح

اس نشاۃِ آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک غم یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عہدِ فرستے سے خالی نہیں      اپنے شاہوں کی اُمت بھولنے والی نہیں  
اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بامِ در      گریہِ پیس سے بنیا ہے ہمارا چشمِ در  
دہر کو دیتے ہیں موتی دیدہ لہریاں کے ہم      آخری بادل میں ال لڑے ہوئے طوفانِ ہم  
ہیں ابھی صندِ ہائِ اس کی آغوش میں      برق ابھی باقی ہے اس کے سینہ خاموش میں  
واوی گلِ خالص سے لہو بنا سکتا ہے      خواب کے تیرے دہقان کو جگا سکتا ہے

جو چکا لہو قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



# نمود . ص

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشوق سے آشکار  
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ خیم سے سپر  
 آسمان نے آمدِ خوشید کی پاؤں خبر  
 شعلہ خوشید کو یا حاصل اس کھیتی کا  
 ہے وہاں خیمِ سحر جیسے عبادت خانے سے  
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی  
 مطلعِ خوشید میں مضربِ ہر نوں مضمونِ برج  
 ہے تیرہ دامنِ بادِ خست لاطِ اُگینِ صبح  
 صبح یعنی خستہ دوشیزہ لیل و نہا  
 کشتِ خاور میں جو ہے آفتابِ تیسرہ کا  
 محلِ پرِ شب باندہ حاسر دوشِ غبار  
 بونے تھے ہفتاں جوڑوں کے جوتاؤں کے شرار  
 سے پیچھے چلے کوئی عابدِ شبِ زندہ  
 کھینچتا ہو میان کی غلٹ سے تین آوار  
 جیسے خلوت گاہ میں شرابِ خمیشہ کو  
 شورشنِ ناقوسِ آوازِ اذان سے ہمنار

جلے کوئل کی اذان کا ترانہ سنج

ہے ترنمِ ریزتِ نونِ سحر کا تارنا



# تضمین بر شعر انجسی شاملو

ہمیشہ مست باو سحر آوارہ رستا ہوں  
 دل بیتاب جا پہنچا دیار پیسہ بھر میں  
 محبت میں کچھ منزل سے بھی خوشتر جاوہ پیمانی  
 میسر ہے جہاں وہاں دروہا شکیبائی  
 ابھی نا اشنائے لب تھا حرف آرزو میرا  
 زبان جوئے کو تھی منت پذیر تاب جوئیائی  
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پہنے والوں کو  
 شکایت تجھ سے ہے اتنے تارک آئین آبائی  
 ترا قیس کیونکر ہو لیا سو زوروں ٹھنڈا  
 کہ لیل میں تو میرا بت تک ہی انداز لیلیائی  
 نہ تخم لالہ تیری زمین شور سے ٹھوٹا  
 زمانے بھر میں سوا ہے تری فطرت کی نازائی  
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیرے ندی کیلئے  
 گنشتی ساز معسوم نو اہائے طلیسائی  
 پہونی ہے تربیت آعوش بیت اللہ میں تیری  
 دل شوید ہے لیکن سنم خانے کا سواقی

”دفا انہوستی ازما بکار و گیراں دی

ربو دی کوہرے ازما نثار و گیراں دی“



# فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیر سٹرائیٹ لارڈ لاہور کے نام)

گوسرا کیا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی  
اشک بھی رکت ہے دہن میں سجا ب زندگی

سوج غم پر رقص کرتا ہے جابِ زندگی  
ہے الم کا سُورہ بھی خُز و کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرلم ہو تو وہ گل ہی نہیں

جو خزانِ دیدہ ہو بیل و دُبل ہی نہیں

ارتھ کے خون سے نکلیں ہر دل کی استیا  
نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ انرفناں

دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سید ہے  
روح کو سامانِ بنیتِ آہ کا آئینہ ہے

عاداتِ غم سے ہے انساں کی فطرتِ کمال  
غاز ہے آئینہ دل کے لیے لرو ملا

غمِ جوانی کو جگاہیت ہے لطفِ خواب ہے  
سازِ یہ بیدار ہو تا ہے اسی خراب ہے

طاہر دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے  
راز ہے انساں کا دل غمِ آشافِ راز ہے

غم نہیں غم، روح کا ال نغمۂ خاموش ہے

جو سُر و بریلِ ہستی سے ہمِ غمِ شہر ہے



شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں  
 جلوه پیر جس کی شب میں شگے کو لب نہیں  
 جس کا جام دل شمعِ عیشم سے نہ آشنا  
 جود امست شاربِ شیشِ عشرت ہی ما  
 ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نولِ خار سے  
 عشق جس کا ہے خبر سے کس کے آزار سے  
 کھفتِ عیشم اگرچہ اس کو روش ہے دوسرے  
 زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سحر ہے

اے دلِ نغمہ پر کار اور اس کے حاصل تجھے

کیونکہ آسان جو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ ویرینہ کی تہیہ عشق  
 عقل انسانی ہے فانی زندہ حب و عیش  
 عشق کے خورشید شامِ اجل شمس ہے  
 عشق سوزِ زندگی ہے تاباں پائنت ہے  
 رخصتِ عیش کا مقصد ہوتا اگر  
 جوشِ الفت بھی لعلِ عاشق سے کر جاتا سفر  
 عشق کو چسبہ بکے رنے کر جاتا نہیں  
 روح میں غم بن کے ہوتا ہے مگر جاتا نہیں

ہے بقاء عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے عیشِ نالہ محسوب کی

آتی ہے تہیہ حبیب کو فے گاتی ہوئی  
 آسمان کے طاعون کو نغمہ سکھاتی ہوئی  
 آتہ روشن اس کا صوتِ رخسار جو  
 لکے ادوی کی چٹائی پر چوہا جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کے گہر پیسے پہن گئے  
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے  
جسے سیلاب ان بھٹ کر پریشان ہو گئی  
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی  
ہجران قیظوں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے  
قدیم پھر نہ ہی جو شل تارے ہیں  
ایک صہیت میں ہے سہرا و زندگی  
لہر کے رقص سے سچو م نوع انساں بن گئی

پستی عالم میں مٹنے کو خدا سوتے ہیں ہم  
عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا سوتے نہیں  
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں  
عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو  
یا جوانی کی اندھیری رات میں ستور ہو  
دہن دل بن گیا ہو رزم کا خیمہ شر  
راہ کی خطہ سے ہو شکل سو مرنے نسل سفر  
خضر ہمت ہو گیا ہو ارنو سے گوشہ گیر  
فخر جب جگر ہو جاوے خاشاک اور ضمیر  
واوہی ہستی میں کی ہے سم تہ تک بھی ہو  
جاوہ لکھنا نے کو جلتا کاشہ رنگ بھی ہو

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس خلکات میں  
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں



# پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ سب ناز و جُشن میں جاسکتی ہے      کلی کلی کی زباں سے دُعا نکلتی ہے

”الہی! پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کلی سے شکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں باز ہے نصیب تے      ترپتے رہ گئے طُزار میں رقیب تے

اُمٹا کے صدرِ رُفتہ وصال تک پہنچا      تری حیات کا جو ہر کال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق ہیں حیرتِ اہل نظر      مے شہاب کے جُشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ عشق نہ ہوا      کسی کے دہنِ نگین سے آشنا نہ ہوا

شُلفتِ لڑنے سے لی کبھی ہمدرد ہے

فسرہ کھتے گلچیں کا منتظر ہے



# ترانہ ملی

چین عرب ہمارا ہندوستان ہمارا  
توحید کی انستینوں میں ہے ہمارے  
دنیا کے بت لڑن میں پہلا وہ لکھ خدا کا  
تینوں کھلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں  
مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری  
باطل سے بننے والے اے آسمان نہیں ہم  
اے گلستانِ اندلس! وہ دن میں ملے تجھ کو  
اے موجِ جبلت! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو  
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کھٹکے ہم  
سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا  
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا  
آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا  
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا  
خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا  
تمنا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا  
سوارِ کرچکا ہے ٹوٹا تھاں ہمارا  
تھا تیری ایونج جب اشیاں ہمارا  
اب تک ہے تیرا دیریا افسانہ خواں ہمارا  
ہے خوں تری گلوں میں اب تک واں ہمارا  
اس نام سے ہے باقی آراجم ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

چوتھے جہاد پر پیمائشِ فکر واں ہمارا

# وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے)

اس دور میں کے اور نئے عالم اور سچے جسم اور  
مسلم نے بھی تمسک کر لیا اپنا جسم اور  
ساقی نے پناہ کی روشنی لطف و ستم اور  
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہندوؤں میں اس کے وطن ہے

جو پیر میں اس کے تہذیب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب فی ہے غارت گر کاشت اندین نبوی ہے  
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفا فوی خال میں اس بت کو ملا دے

ہو قید می تو نتیجہ ہے تپا ہی رہ جسم میں آزاد وطن ضرورت ہی  
ہے ترک وطن سنت محبوب لہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گنبد سیاست میں وطن اور پی کھچے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی کے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی کے

خالی ہے صداقت کے سیاست تو اسی کے

کمزور کا لہر ہوتا ہے غارت تو اسی کے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس کے

قوتِ اسلام کی جڑ لگتی ہے اس کے

## ایک صاحبِ مدینے کے راکستے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور

اس بیاباں یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور

ہم سفر میرے شکارِ دشمنہ رہزن ہوتے

انہیں بخاری نوجوان نے کس غشی سے جان دی

خنجر رہزن اُسے گویا ہلالِ عید تھا

خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل

بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا لیا

اس بیاباں یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور

بچ گئے جو ہوئے بے دل سوئے بیت اللہ پھر

موت کے نہراں میں پانی ہے اُس نے زندگی

ہاتے شربِ دل میں لب پر نعرہ توحید تھا

شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باک نہ چل

عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا لیا



خوفِ جان کھٹا نہیں کچھ دشتِ سیاهِ حجاز  
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از  
 گوسداستِ محفلِ شامی کی ہیرا ہی میں ہے  
 عشق کی لذتِ مگر خطروں کی جان کا ہی میں ہے  
 اہ! یہ عیتِ زیاں اندیش کیا چالاک ہے  
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

## قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبی پر رو رو کے لہر رہا تھا  
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملتِ مشار ہے ہیں  
 یہ زائرانِ حرمِ مغرب ہزار ہر ہر بنیں ہمارے  
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے ناسنا رہے ہیں  
 غضب ہیں یہ مرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے  
 بگاڑ کر تیرے مسدوں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں  
 نئے کا قبال کون ان کو یہ نجس ہی بدل گئی ہے  
 نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنار ہے ہیں

# شکوہ

کیوں کیاں کر بنوں سود فراموش رہوں فکر نہ کر انہ کروں محو غم و خوش رہوں  
نارِ بھل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں ہم نوائیں بھی گئی گل ہوں خاموش رہوں

جرأتِ آمو زمری تاپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خالم بدہن ہے مجھ کو

ہے سببِ شیوہ تسلیم میں شہور ہیں ہم قصہ درو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

سازِ خاموش ہیں فریاد سے سہور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا بشکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خوارِ حق سے تھوڑا سا کلام بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تھی اسے قدیم پھول تھا زینہ سپین نہ پریشان تھی شمیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم بوئے گل بھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140  
ہاتفِ دل  
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی  
ورنہ امت تیرے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب تر جہاں کا منظر  
کہیں مسجود تھے پھر کہیں مسبود شجر  
خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر  
مانست پھر کوئی اُن دیکھے نہ لولہ نوگر

تجہ کو سب دہم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا  
قوت بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی  
ایل چرسپین میں ایران میں ساسانی بھی  
اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی  
اسی نیامیں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھاتی کس نے  
بات جگر بڑی ہوئی تھی وہ بناتی کس نے

تھے یہیں ایکے سے کراؤں میں  
خشکیوں میں کہیں لڑتے کہیں دریائوں میں  
دیں اذانیں کہیں یورپ کے کلیساؤں میں  
کہیں افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان انکسوں میں نہ جیتی تھی جہاں اڑوں کی  
کھڑے پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے  
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے  
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے  
سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لت کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی  
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

مُل نہ سکتے تھے الرجنک میں اڑ جاتے تھے  
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے  
تجھ سے کس شے کوئی تو بڑھ جاتے تھے  
تیغ کیا چینی ہے ہم تو پسے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہے کہ اٹھاڑا دیر خیر کس نے  
شہرِ قصیر کا جو تھا اُس کو کیا سر کس نے  
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے  
کاٹ کر رکھ دیے گغار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشِ کدہ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی  
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی  
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی  
کس کی تجھ سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے ریتے تھے  
منہ کے بل لڑکے ہوا اللہ احد کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں الر وقت نماز      قبلہ نہ ہوئے میں بوسجی قومی حجاز  
ایک ہی صف میں لکھڑے ہوئے محمود ایاز      نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوتے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوتے

محفل کو نون مکان میں ستر شام بھی      مے توحید کو لے کر صفت جام بھی  
کوہ میں دشت میں لے کر تراپیام بھی      اور سلو ہے تجھ کو کبھی ناکام بھی

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے

بحر طلمات میں ڈرائیے لھوٹے ہم نے

صفحہ دہر سے ہاسل کو بنایا ہم نے      نوع انسان غلامی سے چھڑایا ہم نے  
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے      تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ طعنے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولد از نہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں کس کس بھی ہیں  
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں  
ان میں کمال بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں  
سیکڑوں ہیں کہ تے نام سے سزا بھی ہیں

رحمتیں ہیں ہی غیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بیت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان لے  
ہے خوشی ان کو کہ سب کے نگہبان لے  
منزل پر سے اونٹوں کے حدی خوان لے  
اپنی بعلوں میں دباے ہوئے آن لے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکیات نہیں ہیں ان کے خزانے مہمور  
نہیں منسل میں جنسیات بھی کرنے کا شو  
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو بلیں جو قصور  
اور بیچارے سماں کو فقط وعدہ ہو

اب ہا الطاف نہیں ہم پر عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سی ارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب  
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ ہے نہ حساب  
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحر سے جباب  
دہر و دشت ہو سیلی زوہ موج سرباب

۱۹۴

باقی ہے در

۱۶۸



طعن انخیار ہے رسوائی ہے ناوار می ہے  
کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خوار می ہے

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ لئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا  
ہم تو رخصت ہوئے آؤں نے بنگھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید کے حوالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ زیبائیں انام ہے  
کسین ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے

تیری محفل بھی لہتی چاہنے والے بھی لگتے شب لی ہیں بھی تین صبح کے نالے بھی لگتے  
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لگتے اکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لگتے

اے عشاق گئے وعدہ منہ لے کر

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبائے کر

دریہ لی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت و جبل میں رہا ہو بھی وہی  
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی انت احمد مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟      بُت لکری پیشہ کیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟  
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری چھوڑا؟      رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اُٹل تجسیر کی سینوں میں بیٹھتے ہیں  
زندگی مثلِ بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر و ہوسلی سی او ابھی نہ سی      جاوہرِ پیاسی تسلیمِ ضرب ابھی نہ سی  
مضطربِ دل صفتِ قبذہ نامی نہ سی      اور پابندِ آئینِ نامی نہ سی

کبھی ہم نے کبھی غیروں سے شناسائی ہے  
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جاتی ہے

سرفراز یہ کیا دین کو کامل تو نے      اک لشکرِ میناروں کے لیے دل تو نے  
آتشِ اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے      پھونک دی گرمیِ خسار سے دل تو نے

آج کیوں سینے پہلے شہرِ آباد نہیں  
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واوہی نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا      قیسِ دیوانہ نظارہ محفل نہ رہا  
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا      گھر یہ چھوڑا ہے کہ توروں محفل نہ رہا

لے خوش آن روز لکائی و بصد ناز آئی

بے حجابانہ سوتے محفل بازار آئی

بادہ شش غیر پیشن میں لب خبیثے      سنتے ہیں حجام بلف نعتہ کو کو بیٹھے

دور ہنگامہ گلزار سے یکسو بیٹھے      تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروری دے

برق ویرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

قوم آوارہ عنان تاسے پھر سوتے حجاز      لے اڑا بسیل بے پر کو مذاق پرواز

مضطرب مانع کے سر غنچے میں سے ٹوٹے نیا      تو ذرا چھیر تو تے تشنہ مضر اسے ہزار

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طو مضطر ہے اسی آل میں جیلنے کے لیے

مشکطیں امتست مرغوم کی آساں کرے      موبے لایہ کو ہمدوشیں سلیمان کرے

جنس نایاب محبت کو پھر از ان کرے      ہند کے ویریشینوں کو مسلمان کرے

جوتے خوں می چلدا ز حسرت ویرینہ ما

می تپد مالہ ز بشت کردہ سینہ ما

نوتے گل لے گئی برون چمن از چمن  
کیا قیامت کہ خود پھول ہیں غماز چمن!

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن  
اڑ گئے ڈالویں سے زمرہ پڑاز چمن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ ترغیم تک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم تک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں  
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑکے پریشاں بھی نہیں

وہ پرانی روشیں مانع کی ویراں بھی ہوئیں  
ڈالیاں سپرین برگ کے غمیاں بھی ہوئیں

قید موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرما دے اس کی

نطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا بیٹھ میں  
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پیٹنے میں

کتنے بے تاب ہیں جو ہر کے آئینے میں  
کس قدر جلوئے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے ہی نہیں

چال اسن پیل تنہا کی نوا سے دل ہوں  
جاگنے والے اسی بانگِ دُائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں  
پھر اسی بادۂ ویرنیہ کے پیسے دل ہوں

عجمنی ہے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری  
نغمہ ہندی ہے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

## چاند

اے چاند جس نے ہر فطرت کی آبرو ہے  
یہ داغ سا تجو سیر سینے میں ہے نمایاں  
ملو فہم خالی تیرے قلمِ خم ہے  
میں مضطرب نہ رہیں بچ، بیتاب تو فلک ہے  
عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے  
شجر کو بھی بستو ہے مجھ کو بھی بستو ہے

انساں ہے شمع جس کی نخل ہی ہے تیری

میں بس طرفِ ان چوں منزل ہی ہے تیری

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خامشی میں  
استادہ ہنر میں ہے ہنرے میں ہر پاس ہے  
پوشیدہ ہے شاید غوغائے زندگی میں  
آب میں تجھے دکھائوں خسارِ روشن اس کا  
نہل میں نغمہ زین ہے خاموش ہے کلی میں  
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آری میں

صحرا و دشت و زمین کھسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے خسار میں وہی ہے

# رات اور شاعر

(۱)  
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں  
خاموشی صوبت گل نازد تو پریشاں  
تاروں کے موتیوں کا شایہ ہے جو میری تو  
پھل ہے کوئی میرے ریتے نور کی تو  
یا تو مری جس کا تارا لرا ہوا ہے  
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا رہا ہے  
خاموشی ہو گیا ہے تار رہا ہے پستی  
ہے میرے آئنے میں تصویر خواہ پستی  
دریا کی تہ میں چشم لڑا ہے لہتی ہے  
ساحل سے کاسے کے موج بیتا ہے سو لہتی ہے  
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ فریں ہے  
یوں سو لہتی ہے جیسے آبادی نہیں ہے

شعرا کا دل ہے لیکن ناپائیدار  
ازاد رہ گیا تو کیونکر مے فصول سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی لہتی میں نہیں بوتا ہوں  
چھپ کے انسانوں کے مانند سوتا ہوں

۲۰۰  
بانٹا ہے رات  
۱۸۲



دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں  
 مجھ میں فریاد جو نہاں ہے سناؤں کس کو  
 غزلتِ شب میں مے لاشک ٹپک جاتے ہیں  
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھائوں کس کو  
 برقِ امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے  
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لکھنا سوتی ہے  
 صفتِ شمع لحدِ مُردہ ہے محفلِ میری  
 آہ لے اتے بڑی فوہ ہے نزلِ میری  
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو  
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت جو بسر آتا ہوں  
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سناتا ہوں

## نغمہ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ سیدِ قبا کو  
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور  
 طشتِ اُنق سے لے کر لے کے پھول مارے  
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے  
 چمکے عروں شب کے موتی وہ پیارے پیارے  
 چھل میں حنا مٹی کے لیلے ظلمتِ آتی  
 کہتا ہے جن کو نساں اپنی زبان میں تارے  
 وہ دور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے

مخوفانہ موزی تھی اس بن فلک کی

عرش میں سے آئی آواز ال ملک کی

اے شب کے پاس تو اے آسمان کے تارو!

تانبہ قوم ساری لڑوں شیں تمھاری

چھیڑو سو دایا خیال انھیں سونے والے

رہبر تھے فلوں کی تاجبیں تمھاری

ایسے قسموں کے تم کو یہ جانتے ہیں

شاید سنیں صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے

وسعت تھی آسمان کی مہر اس نواسے

حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں

جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں

امین نو سے ڈرنا طس سز کھن پہ اڑنا

منزل یہی کھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروان ہستی ہے تیرے گام ایسا

قومیں نکل لیتی ہیں بس کی واوری میں

انکھوں سے ہیں تیری غائب ہزاروں خیم

داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

اے سمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے

جوبات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نطفِ ام سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

# سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم سہ میرا      اسماں پر چوگا کز میرا  
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی      جاننے والا چرخ پر میرا  
تارے حیرت دیتے تھے مجھے      رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے      خاتمِ آرزو تے دیدہ و گوش  
شاخِ طوبیٰ نے پندرہ ریزِ طیو      بے حجبِ بانه خور جلوہ فروش  
ساقیانِ بیل جامِ بدست      پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش  
دو چہرے کے آنکھ نے بھیج      ایک تار یک خانہ ہر دو حسروش  
طالعِ قیس کیسے تے لیلیٰ      اُس کی تار کیوں کے دوشِ بدوش  
خُٹک ایسا کہ جس کے شکر      کڑہ زہر سر پر چوڑو پوش  
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی      حیرت انگیز تھا جوابِ سرروش

یہ تمام خاکستری ہے      مارے نور سے تھی آغوش  
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے      جن سے لڑاں ہیں مریخ و عرش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انگار ساتھ لائے ہیں

## نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت کیا      حامل روزہ ہے تو اور نہ پاسد نماز  
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل      دل میں بندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجا  
جھوٹ بھی مصلحت ایسے نرا ہوتا ہے      تیرا انداز تسلیٰ بھی سراپا اعبا  
ختم تیر تری مدح سے کار یہ ہے      فکر روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا  
درِ حکام بھی ہے تجھ کو مست ممد و      پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایا  
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے      پردہ خدمتِ دین میں ہو جس کا کارا  
نظر آجاتا ہے مسجد میں بھی عید کے دن      اثرِ وعظ سے جوتی ہے طبیعت بھی لہا  
دست پر دترے ملک کے اخبار بھی ہیں      چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سا

اس پر طر ہے کہ ٹو شمر بھی کہہ سکتا ہے  
تیری مینے سخن میں ہے شراب شیرا  
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں بھی  
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شریک تان  
غم سہیا نہیں اور پر بال بھی ہیں  
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پران

”حاقبت نمنزل ما وادی خاموشان است  
حالی غمت در گنبد ان لال اندا“

رام

لبریز ہے شراب حقیقت کے جاگہ مند  
سب لسنی ہو خطہ سفر کے رام مند  
یہ ہند یوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر  
رفت میں آسماں سے بھی اونچا ہے رام مند  
اس دس میں ہوتے ہیں ناراں ملک شرت  
مشور جن کے م سے ہے دنیا میں نام مند  
ہے ام کے جو یہ ہندوستان کو ناز  
ایل نطنہ سمجھتے ہیں اس رام مند  
اعجاز انس چراغ ہدایت کا ہے یہی  
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام مند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرو تھا  
پالیزی میں جو شش محبت میں فرو تھا

## موٹر

کیسی پتے کی بات جھلنے نے کل کی  
 موٹر ہے فو الفعار علی خاں کا کیا خموش  
 ہنگامہ آفتاب نہیں اس کا خرام نا  
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش  
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر  
 ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش  
 ہے پاشک تیشو فریاد سے جس  
 نکست کا کارواں ہے مثال صبا خموش  
 مینا بدم شور شرقتل سے پاگل  
 لیکن مزاج جام حرام آشنا خموش  
 شاعر کے فکر کو پر پروازت مشی  
 سطر یہ وار لڑی آواز حش مشی

## انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ نابیا  
 محروم عمل زکس مجبور تماث ہے  
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو  
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماث ہے  
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں  
 انسان کی ہر قوت سرگرم تماث ہے  
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہر مٹم  
 یہ ذرہ نہیں شاید سٹا ہو صحرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سعت چمنستان کی

یہ ہستی وانا ہے پینا ہے تو انا ہے



# خطاب بہ جوانان اسلام

کبھی اے جوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے  
 تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوشِ محبت میں  
 تمدنِ انسانی حلقہٴ آئینِ جاہلِ واری  
 سماں شرفِ فخری کا رہا شانِ باری میں  
 کدانی میں بھی اللہ والے تھے غمور اتنے  
 غرض میں کیا کہوں تجھے کہ جو خدائے کبھی  
 اگرچہ ہوں تو نقشہٴ سینچ کر الفاظ میں کہوں  
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی  
 گنوا دہی سے جو اسلام کی ریش پائی تھی  
 حکومت کا تو کیا زمانہ الٰہی عارضی ہے تھی  
 مگر وہ علم کے موتی کستِ بے باکی  
 ”غنیٰ روزیہ کفریہ“ ان تماشائوں

وہ کیا لڑوں تھا تو جس کا ہے الٰہ ٹوٹا ہوا تارا  
 کچل ڈالا تھا جس کا پوں میں تاجِ سربارا  
 وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گھوڑا  
 ”بات نہ نکال خالِ خطِ حاجت نے زیارا“  
 کہ نسیم کو لدا کے ڈنکے شش کا نہ تھا یارا  
 جہاں جہاں جہاں جہاں بن جہاں آرا  
 مگر تیرے تخیلِ فنیوں سے وہ نظارا  
 کہ تو کلفتِ روہ کو از ٹوٹا بہت وہ سیارا  
 تریلے سے میں بچ آسمان نے ہم کو دے مارا  
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم کے کوئی چارا  
 جو یس میں ان یوں میں تو دل سوتا ہے سیارا  
 کہ نورِ دیدِ افسرِ روشن کند چشمِ زلیخارا

# غزوة شوال

یا

## ہلالِ عید

غزوة شوال! اے نورنگاہِ روزہ دار  
 تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے  
 اس کے تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار  
 شام تیری کیا ہے صبحِ حشر کی تہیہ ہے  
 اے مہ نو باہم کو تجھ سے اُلفتِ یرینہ ہے  
 سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے  
 جس علم کے رسلے میں تیغ آزماتے تھے ہم  
 تیری قسمت میں ہم غوشی اُسی ایت کی ہے  
 حسنِ روزافروں سے تیرے آبر و ملت کی ہے  
 آشنا پر ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا  
 ہے محبتِ خیز یہ پیرِ بہنِ سیمیں ترا

اوج لڑوؤں سے فرادنیاء کی بستی دیکھ لے  
 اپنی رفعت سے ہر گھر کی پستی دیکھ لے!

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق فتاری بھی دیکھ  
 دیکھ لڑتے کہ افق پریم نساتے تھے لہر  
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں یہ مسلم اسیر  
 دیکھ مسجد میں شکست رشید تیسری شیخ  
 کافروں کی مسلم آئینی کا بھی ٹٹا راکر  
 بارش رنگ اوش کا تماشائی بھی ہو  
 ہاں تعلق پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو  
 جس کو ہم نے آشنا لطف تکم سے کیا  
 ساڑھ عشرت کی صدام غرب کے یوانوں میں  
 چاک لڑی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

رہبرِ در ماندہ کی منزل سے سیزاری بھی دیکھ  
 اے تھی ساغر ہزاری آج ناداری بھی دیکھ  
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی لڑتاری بھی دیکھ  
 بت لے مین بہمن کی تختہ تازی بھی دیکھ  
 اور اپنے مسلوں کی سلم ازاری بھی دیکھ  
 اُستِ محرم کی آئینہ یواری بھی دیکھ  
 اور جو بے آبرو تھے ان کی خوداری بھی دیکھ  
 اُس حریف بے باں کی گرم لغاری بھی دیکھ  
 اور ایران میں فدا نام کی تیاری بھی دیکھ  
 ساوکی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صوبتِ عینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ  
 شورِ شہرِ امروز میں مجھ سُرود و دوش رہ



# شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

## شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش  
کیسے تو از پر پروانہ دارو شانہ اے  
وہ جہاں مثل چراغ لالہ صحرایم  
نے نصیب محسن نے قسمت کاشانہ اے  
تہ تے مانند تو من ہم نفس می حسرت  
در طواف شعلہ ام بالے نہ زو پروانہ اے  
می تپد صد جلوہ در جان اہل شہ و من  
بر نمی خیزد ازین محسن دل دیوانہ اے

۲۱۰

بانگ درا

۱۹۱۲

از کجبا این آتش عالم سوزاند و حتی  
کرکاب بے مایه را سوزد کلیم اوستی

## شمع

مجھ کو جو موجِ نفَس دیتی ہے پیغامِ اجل  
لبِ اسی موجِ نفَس سے ہے نوا پیرا ترا  
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز  
تو سوزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترا  
گر یہ ساماں میں کہیسے دل میں ہے طوفانِ اشک  
شبِ نیمِ افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا  
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح  
ہے تیرے امروز سے نا آشنا و اترا  
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھلتا نہیں  
شعلہ ہے پشیل چراغِ لالہ صحرایا ترا

سوچ تو دل میں، لعقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟  
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!  
 اور ہے تیرا شمار آئینِ قلت اور ہے  
 زشتِ رُوقی سے تری آئینہ ہے زسوارا  
 کعبہ پہلو میں ہے اور سودا کی بُت خانہ ہے  
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا  
 قیس پیدا ہوں تری محفل میں! یہ ممکن نہیں  
 تنگ ہے صحرِ اتر، محل ہے بے لیدا ترا  
 اے در تابندہ! اے پروردہ انعمشس موج!  
 لذتِ طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا  
 اب نو اسی را ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا  
 بے محفل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا  
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے  
 لے کے اب تُو وعدہ دیدارِ عم آیا تو کیا

۲۱۲

باقی ہے در

۱۹۶



انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آسام اٹھ گئے  
 ساقیاء محفل میں تُو آتش بجام آیا تو کیا  
 آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی  
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا  
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ  
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا  
 تجھ کیسے وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پرواز تھا  
 اب کوئی سودا آئی سوزِ تمام آیا تو کیا  
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو  
 کارواں بے جس ہے آوارِ درا ہو یا نہ ہو  
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا  
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے  
 رشتہ الفت میں جب ان کو پرست تھا تو  
 پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

شوق بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی  
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ سزا نے ہے  
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں  
 فائدہ بھر کیا جو گردشِ پرانی ہے  
 خیر، تو ساقی سی لیکن پلائے گاکے  
 اب نہ وہ کس ہے باقی نہ مینا نے ہے  
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا سے  
 کل تک گردش میں جس ساقی کے پیانے ہے  
 آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پوچھیں  
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے ہے  
 واسے ناکامی! مستاع کارواں جاتا رہا  
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا  
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی  
 شہر ان کے بٹ گئے آبادیاں بن چکی ہیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوئی  
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں  
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے  
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں  
 خود تجلی کو مست احسن کے نظاروں کی تھی  
 وہ نگاہیں نا اُمید نورِ امین ہو گئیں  
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں  
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں  
 وسعتِ لرزوں میں تھی ان کی ترپ نظاروں سے  
 بجلیاں اسودہ دامانِ حنہ من ہو گئیں  
 دیدہ خوبار ہو منت کش گلزار کیوں  
 اشکِ پریم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں  
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی  
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

مژدہ لے پیانہ بردار خمستان حجاز  
 بعد مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش  
 نقد خود داری بہلے بادۂ غبار تھی  
 پھر دکان تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش  
 ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیما یں ہند  
 پھر سلیم کی نطفہ ریتی ہے پیغام خروش  
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز  
 دل کے شکامے مغرب کے کر ڈالے خموش  
 غم پر پیرا ہو کہ یہ سنگام حنا موٹی نہیں  
 ہے بحر کا آسمان خورشید سے مینا بدوش  
 در عنیم دیکر بسوز و طراں راہِ رسم بسوز  
 گرفتار وشن حدیثے کرتوانی وار گوش  
 کہہ گئے ہیں شاعری خیزوست از پیغمبری  
 ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پینام سروش

۲۱۶  
 بادشاہی در  
 ۲۰۰

آنکھ کو بیدار کرو دے وعدہ دیدار سے  
زندہ کرو دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا

بحرِ محبت صحرا میں تو، ٹکشن میں شل جو ہوا

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ

زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

آبرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ  
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر  
 خمیہ زن ہو وادیِ سینا میں مانسہ کلیم  
 شعلہ تھتق کو غارت گر کا شانہ کر  
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم  
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکستر پروانہ کر  
 تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو  
 عینِ دریا میں حبابِ آسانگوں پہیانہ کر  
 کیفیتِ باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں  
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر  
 خال میں تجھ کو مُعتد کرنے ملا یا ہے اگر  
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندہ کر  
 ہاں، اسی شہِ کُن پر پھر بنائے آشیاں  
 اہلِ مٹش کو شہِ نغمہ ستانہ کر



اس چمن میں سپر و بھیل ہو یا تمسکِ نخل  
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپیدانہ کر  
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ ریمِ شبنم ہے تو  
 لب کشا ہو جا، سرورِ بریطِ عالم ہے تو  
 آشنا اپنی حقیقت سے ہواے بہتیاں ذرا  
 وانہ تو بھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو  
 او، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے  
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو  
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا  
 ناختہ اتو، بحرِ توحشتی بھی تو، ساحل بھی تو  
 دیکھ اگر کوچہ چالب گریباں میں کبھی  
 قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحراب بھی تو، محفل بھی تو  
 واتے نادانی کہ تو مستِ ساقی ہو گیا  
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاک غیر اللہ کو  
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عادتِ کرباں بھی تو  
 بے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام سے  
 تو زلزلے میں خدا کا آخری پیغام ہے  
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو  
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے  
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تو  
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے  
 سینہ ہے تیرا میں اس کے پیامِ ناز کا  
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے  
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتد  
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے  
 اب ملکِ شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکونت  
 اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پیمیاں بھی ہے؟

تُو سی ناداں چنڈ کلیوں پر قناعت کر لیا  
 ورنہ کاشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے  
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفتیر میں  
 کسوت بینا میں مے مستور بھی، غریاں بھی ہے  
 پھونک ڈالا ہے مری آتش نوا آئی نے مجھے  
 اور میری زندگی کافی کا یہی سماں بھی ہے  
 راز اس آتش نوا آئی کا مرے سینے میں دیکھ  
 جلوہ تفتیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ  
 آسماں ہو گا سخی کے نور سے آئینہ پوش  
 اور ظلمت رات کی سیماں پا ہو جائے گی  
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باد بہار  
 نکمت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی  
 آملیں گے سینہ چاکاں چین سے سینہ چاک  
 بزم گل کی نیم نفس باد صبا ہو جائے گی

شبِ نیم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا  
 اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی  
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال  
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیر پر چڑھ جائے گی  
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجد  
 پھر بےیں خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی  
 نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سا مالِ سیور  
 خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی  
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں  
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیل سے کیا ہو جائے گی  
 شبِ کریمیاں ہولی آخر جلوۂ خورشید سے  
 یہ چمن معسور ہو گا نغمہ تو حید سے



۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۶

# مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے  
سینہ سوزاں ترا منیرا دے ستو ہے  
نغمہ تہیہ تیری بربط دل میں نہیں  
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں  
کوشش آواز سہ و فرستہ جو یا ترا  
اور دل ہنگامہ خانے بے پروا ترا  
قصہ گل ہم نہ ایان چمن سنتے نہیں  
اہل محفل تیرا سینہ کم کہن سنتے نہیں  
اے وراثتے کاروانِ نختہ پا با خاموش رہ  
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر محفلِ برینہ ہو سکتی نہیں  
شمعِ روشن شبِ شبنم ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں  
اس صداقت پر ازل سے پڑ عا دل ہوں میں  
نبضِ حیات میں پیدائش اس کے ہے  
اور علم کے تختِ عین حیات اس کے ہے  
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا  
اور مجھے بس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا  
دہر مرغِ غارت کربلِ پست میں ہوا  
حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہوا

میری ہستی پیر غنّیٰ عالم کی ہے  
 قسمتِ عالم کا سلم کو لب تابندہ ہے  
 اشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرارِ حیات  
 کتب اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے  
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد و سیر افروزگار  
 ہاں یہ سچ ہے چشمِ برہمہ کُن پستابوں میں  
 یادِ عہدِ فرست میری خال کو اسیر ہے  
 میرے سر جانے سے سوانی بنی آدم کی ہے  
 جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے  
 کہ نہ نہیں کہتے مجھے نومید پرکارِ حیات  
 ہے بھر سا اپنی قلت کے مقدر پر مجھے  
 فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار  
 اہل محفل سے پرائی استاں کہتا ہوں میں  
 میرا ماضی میرے استقبال کی نفسیر ہے

سامنے لکھا ہوں اس دوشِ نشاطِ افرا کو میں  
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

## حضورِ رسالت ﷺ میں

گراں جو مجھ پر ہنسکا مہر زمانہ ہوا  
 قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لکین  
 جہاں سے باندھ کے رختِ مہر و انہ ہوا  
 لطفِ کرمِ کثرتِ عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲  
 بانگِ دل  
 ۲۰۸



فرشتے برقم رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے نذیب بانع حجاز! کل کل ہے تری کرمی نواسے لدا از

ہمیشہ سرخوش عالم ولایت تیرا

اڑا جو پستی دنیا سے تو سوتے لڑوں

نکل کے بانع جہاں سب گنہ گار آیا

ہمارے اسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

”حضور! اوپر میں اسوہ کی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یا خضر ہستی میں وفا کی بس میں جو ہو وہ کل نہیں ملتی

گھر میں نذر لو ال ابھی سنہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے ہی امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں“



# شفا خانہ حجاز

اک میواتے قوم نے قہر ہال کے کھانے کو جگہ میں ہے شفا خانہ حجاز  
پرتا ہے ہری خاک کا پڑوے قہر  
دست جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف  
شہور توجہ اس میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا والی طب میں چلیے

نبضِ مرضِ خبیثہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں حیات  
پوشید جس طرح ہے حقیقت مجاز میں  
تلخا بہ اسل میں جعاشق کو مل گیا  
پایا نہ خضر نے کمرے عسیر راز میں  
اوروں کو دین حضور یا یہ پیغامِ نندگی  
میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے شفا کا پیام کیا  
رکھتے ہیں اہلِ دوسریا سے کام کیا



۲۲۶  
بانگِ درا  
۲۱۰

# جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے      پر نہیں طاقت پرواز رکھتی ہے  
قدسی الاصل ہے رفعت پر نظر رکھتی ہے      خال سے اٹھتی ہے لڑو چکر رکھتی ہے  
عشق تھا فتنہ کہو سرشیں چالال مرا

آسمان چیریا مالہ بے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی      بے سیکے سرِ عرش میں ہے کوئی  
چاند کستا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی      لکشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی  
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شہزادوں کو بھی تیرا یہ وار ہے کیا      عشر والوں پر بھی کھتا نہیں یہ وار ہے کیا  
تسہ عشر بھی اس کی تہ تازہ ہے کیا      آگئی خال کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا

غافل آداب کے نگاہیں نہیں کیسے ہیں  
شوخ و ستاخ یہ پستی کہیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برتر ہے  
عالمِ نفیس کے دانے سے موکم ہے

نہ ہے طقتِ نفستار اپنی فوں کو  
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اکی آواز عن انعم ہے زافسانہ ترا  
اسماں کی پھر انعم فرستانہ ترا

شکر شکر گویند حسنِ اداسے تو نے  
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاکسارے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں  
تربیت عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں  
دھوٹے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ نے زور ہیں لکڑے دل غم کر ہیں      اُمتی باعثِ رسوائی پیسہ ہیں  
بُت شکن اٹھ گئے باقی جو ہے بُت کر ہیں      تمہا برائے سیم پیر اور پسر آزر ہیں

باوہ اشکام تے باوہ نیاجم بھی تے

حرمِ کعبہ نیابت بھی تے تم بھی تے

وہ بھی دُن تھے کہ یہی مایہ عمر سائی تھا      نازشیں سیم مل لالہ صحرائی تھا  
جو سلمان تھا اللہ کا سوائی تھا      کبھی محبوب تمہارا یہی حرب سائی تھا

کسی سچ سائی سے اب عہدِ غلامی کر لو

فلت احمد برسل کوست امی کر لو

کس تہ تم یہ کراں سج کی بیداری ہے      ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں ساری ہے  
طبع آزاد و قیدِ رمضان بھاری ہے      تمہی کہہ دے یہی آئینِ وفا واری ہے

قوم مذہب کے تے مذہب نہیں تم بھی نہیں

جذبِ باہم نہیں محفلِ باہم بھی نہیں

جن کو اتنا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو      نہیں قوم کو پروا ہے شین تم ہو  
بجلیاں بس میں چوں آنسو وہ خرم تم ہو      بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے مدفن تم ہو

ہونکو نام جو بسٹوں کی تجارت کے  
 کیا نہ سوچے جو مل جائیں صہم شہ کے  
 صفحہ پہ پہل کو مٹایا کس نے؟  
 میرے کعبے جو بیٹوں کے بسایا کس نے؟  
 نوع انسان کو عن لای چھڑایا کس نے؟  
 میرے شہر کو بیٹوں کے لکھایا کس نے؟  
 تھے تو آباؤ اجداد کے ہی ملامت لیا ہوا

ہاتھ پر ہاتھ دھرتے منتظر فرما ہوا  
 کیا کہا اب سب لڑیاں ہے فقط وعدہ  
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شہ  
 عدل ہے غلطی سب سے ازل سے دستہ  
 مسلم آج بھی جو اکافٹ تو ملے حور و قصور  
 تم میں غم و کوا کی چنے والا نہیں ہیں  
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک  
 ایک ہی سبب سے دین بھی ایمان بھی ایک  
 حرم مال بھی اللہ بھی شہر ان بھی ایک  
 کچھ بڑی بات تھی ہے جو مسلمان بھی ایک  
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کس میں نہیں ہیں  
 کیا زمانے میں پہنچنے کی یہی باتیں ہیں



کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟  
کس کی آنکھوں میں سما یہ شے سارِ اغیار؟ ہولتی بس کی زدِ ظہرِ سلف سے بیزار؟

قلب میں نہ نہیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں مانس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفتِ آقا تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب  
نامِ بیتِ ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہِ کھلتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے بلبِ بیضیا غریبا کے دم سے

واحدِ قوم کی وہ بختِ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ مستالی نہ رہی  
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلامالی نہ رہی فلسفہِ رہ گیا، تلقتینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخِ خواں ہیں نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں سلم موجود  
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرماؤں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دعوتِ سیرت بھی مسلم کی صداقت ہے بال  
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا جس سے نیک نال  
تھا شجاعت میں وہ اک پستی فوق الادراک

خود لہ از می نیم نفیتِ صہبائش ہو

خالی از خویش شن صوتِ مینائش ہو

ہر مسلمان گلِ طہل کے لیے نشتر تھا  
اس کے آئینہ پستی میں عملِ جہر تھا

جب رستا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا  
تھے ہمیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الہ از بر ہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مست ہے ذوقِ تن آسانی ہے  
تم مسلمان ہو، یہ اندازِ مسلمانی ہے

حیدر علی ہے پر نے دولتِ عثمانی ہے  
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شہر آں ہو کر

۲۳۲  
باقی ہے در  
۲۱۶

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم  
چلتے سب ہیں کہ ہوں اور شریا پیہر مستم

تختِ فقور بھی ان کا تھا سر پر کبھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت بھی

خود کشی شیعہ تمھارا، وہ سیو و خود ا  
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار  
تم پوختہ سراپا، وہ سراپا کردار  
تم ترستے ہو مٹی کو، وہ ہستان بہ لٹا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقت ان کی

مثلِ نخبِ اُفق قوم پہ روشن بھی ہوئے  
شوقِ پرواز میں مہجورِ شمسین بھی ہوئے  
بے عمل تھے ہی ان دین کے بطن بھی ہوئے  
بیتِ ہندی کی محبت میں بھین بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر شے سے آزاد کیا

لا کے کعبے صفحہ خانے میں آباد کیا

قینِ رحمت کش تنہائی صحرا نہ رہے  
شہر کی لکھنے ہوئے باد وہ پیا نہ رہے

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے دیوانہ رہا  
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رہا

گلہ جو رہے ہو، شکوہ بیدار نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نورق ہے آتشِ زینِ بزمِ حسن ہے  
امین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشن ہے

اس نئی آگ کا اوقام نہیں ایندھن ہے  
وقتِ ختمِ رسلِ شعلہ بیدار ہے

آج بھی ہر جو براہِ شیم کا ایمان پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر ناچنے پر نہ پریشان مالی  
کو کٹھن بننے سے شاخیں ہیں کھینے والی

خونِ عاشاک سے ہوتا ہے گستاں خالی  
گلِ برانداز سے نچوڑتے ہیں شدا کی لالی

رنگِ مڑوں کا ذرا دیکھ تو غمت باری ہے

نیسکتے ہوئے سوج کی اشتیاق باری ہے

اتنی گلشنِ بستی میں ٹرچید بھی ہیں  
اور سہم ٹم بھی ہیں خزانِ مد بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں  
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومند کی

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چین کی

پاک کے لرو وطن سے سزا ماں تیرا      تو وہ یوسف کے کہ ہر مصر ہے کنگاں تیرا  
 قافلہ ہونہ کے گا کبھی ویراں تیرا      غیر یک باب درالچہ نہیں سا ماں تیرا  
 نخل شمع استی و شعلہ و دوریشہ تو

عاقبت سو زبوسایہ اندیشہ تو

تو نہ مٹ جانے کا ایران کے مٹ جانے سے      نقشہ کے کو تعلق نہیں سمانے سے  
 ہے عیاں پوششِ تار کے افلاں سے      پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے  
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگام بہ پاپوشِ بلخاری کا      خافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا  
 تو سمجھتا ہے یہ سا ماں ہے دل آزاری کا      امتحاں ہے ترے اشار کا، خود داری کا  
 کیوں ہر اسماں ہے پھیل فرہ اعدا سے

نور حق بچھونہ کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اوقام سے مخفی ہے حقیقت تیری      ہے ابھی نسلِ سستی کو ضرورت تیری  
 زندہ رہتی ہے زمانے کو حرارت تیری      گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کا ہم بھی باقی ہے  
نورِ وحید کا اسم بھی باقی ہے

شلِ زوے کے غنچے میں پریشان ہو جا  
رختِ بروشن ہو جائے چمنستان ہو جا  
ہے تنک نایہ تو دے ہے بیابان ہو جا  
نغمہ موج ہے ہنسنا رطوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر سہل کو بالا کروے  
دہر میں اسمِ مستند سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ ٹھپول تو بے بل کا ترنم بھی نہ ہو  
چمن دہر میں کلیوں کا تسم بھی نہ ہو  
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو  
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے  
نبضِ ہستی میں آئادہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کسار میں میدان میں ہے  
بھر میں موج کی آنکھوں میں طوفان میں ہے  
چین کے شہزادے کی بیابان میں ہے  
اور پوشیدہ سلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نیتِ ارہ ابد تک دیکھے  
رفعتِ شانِ رفعتِ کاکِ فکراں دیکھے



مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی و نیل وہ تھکے شہسوارِ پلنے والی و نیل  
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی و نیل عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی و نیل

تیش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح  
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تلے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مے درویشِ خداست ہے جہانگیر تری  
ماریوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے فناؤ نے تو ہم سے ہیں  
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

## ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تھام لے ساقی  
جوابہ کش تھے پرائے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بیعتِ دوام لے ساقی!

کشی ہے ات تو ہنگامہ ستری میں تری  
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

# تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعرتلا عشرتی)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے کل جاتی ہے فراد بھی ساتھ  
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ  
لکھریں رو پڑیں شیریں تو ہوتی جلد وہاں لے کے آتی ہے مگر تیشہ فراد بھی ساتھ  
”تختِ دلی بلفِ آریم و بکاریم ز نو  
کانچہ شہتیم ز خجالت نتوان کرد و“

## قربِ سلطان

تمیزِ حاکم و سکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا کہ لگا کر ہوش کا ہمدوش  
جہاں میں خواجہ پرستی سے بندگی کا لال رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگیں پوش  
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطابِ ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش  
پڑائے طرزِ عمل میں ہزار شکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں سے  
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوین حیات  
 "نہزار لونه سخن دردہان و لب خاموش"  
 "کہ اے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش"  
 "بگیر ماوہ صافی بیابان چنک بنوش"  
 لڑاکے توڑ دے سنگِ جس سے شیشہ ہوش  
 پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ بوش  
 "محلِ نور تجلی ستارے انور شاہ"  
 چو بے اوطلسی صوفی نیت کوش

## شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سلسے  
 مستیِ مہرِ خرام کا سن تو ذرا پسیم تو  
 پی کے شراب لالہ لوں کے کدہ بہار سے  
 زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے  
 کھرتی ہے ادویوں میں کیا دخترِ خوش خرام  
 کتنی ہے عشق بازیاں سبزہ مرغزار سے  
 جامِ شرابِ مہ کے خم سے اڑاتی ہے  
 پست بلند لڑکے طعنتوں کو جا پلاتی ہے

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے گھری  
ہوتی ہے اُس کے فیض سے نزعِ ندکی ہری  
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیاں  
کرتی ہے اُس کی قوم جب اپنا شعار آزادی  
اہلِ زمیں کو نعتِ زندگی دوام ہے  
خونِ جلوت سے بیتِ پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوتے سے سخن نہ ہو  
پھول نہ ہو مٹی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ در و دہن سحر  
منزلِ مستی سے کرجاتی ہے خاموشی سحر  
مغفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت  
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت  
چھپاتے ہیں ریشے پاکے پیغامِ حیات  
باندھتے ہیں پھول بھی گلشنِ میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر آرا تو بھی ہو

دو چمک اُٹھا آفتاب، کرمِ تعاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیماؤں کی آفتاب  
دامنِ لڑکوں کی پیدائشوں یہ اُغ سحاب

کھینچ کر خنجر کون کا پھر سو سر گرم ستیز  
پھر کھاتا ریلی باطل کو اداس گمیز  
تو سراپا نو ہے خوشتر ہے غریانی تجھے  
اور غریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے

اے دل کون مکان کے راز مضمر فاش ہے

## دعا

یارب اول سلم کو وہ زندہ تہمت دے  
پھر ادوی فاراں کے ہر فتے کو چمک دے  
محروم تماشا کو پھر دیدہ بیسنا دے  
بھٹکتے ہوئے انہو کو پھر شے حرم لے چل  
پیدا دل بیاں میں پھر شورشیں محشر کر  
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو  
رفت میں مقاصد کو ہمہ دوشیں شریا کر  
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو  
جو قلب کو لڑکے جو روح کو تڑپا دے  
پھر شوق تماشائے پھر فوق تقاضا دے  
دیجاتے جو کچھ میں اوروں کو بھی لھلا دے  
اس شہر کے خول کو پھر وسعت صحرا دے  
اس محسوس خالی کو پھر شاپہر پیدا دے  
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے  
خود ادوی ساحل دے آزادوی دریا دے  
سینوں میں اجالہ دل صورت مینا دے

احساس عنایت کراہم مصیبت کا  
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بیل نالاج میں اک اُٹرے غلتاں کا

تاثیر کا سال ہوں محتاج کو داتا کے

## عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زرد کستا تھا  
کیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں  
نہ پائے سال کریں مجھ کو زائر ابنِ چین  
انہی کی شلخ نشین کی یادگار ہوں میں  
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو  
چمن میں آگے سرِ افسانہم بہار ہوں میں  
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار  
خوشی ہو عید کی لہو لہر لہو لہو لہو لہو لہو میں  
اجار ہو گئے عید کُنسن کے میخانے  
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شین و سرت ہیں سناتا ہے

ہلالِ عید ہماری سنسی اُڑاتا ہے



۲۴۲

یادگارِ دور

۲۴۶



# فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے امت مرحوم ہے  
یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی  
وژہ ذرہ تیری شبت خال کا معصوم ہے  
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی  
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر  
ہے جسارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر  
یہ جلی بھی اس گھمسانِ خزاں منظر میں تھی  
ایسی چٹکاری بھی ماریب اپنی خالستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اٹھو بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! کوشنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے  
قص تیری خال کا لکنا شطرنجِ اعلیٰ ہے  
نغمہ عشرت بھی اپنے مالہ ماتم میں ہے  
وژہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے  
پل پر ہے ایک قوم تازہ اس انجوش میں  
آفرینش دکھتا ہوں ان کی اس مرقعے میں  
بے خبر ہوں چپان کی سبب مقصد کے میں

تازہ بخم فضا اسماں میں جلو  
دید انسان کے محکم کجی کی موج نور

جو ابھی ابھی سے ظلمت خانہ آیام سے  
جن کی غمناک شنا ہے قید صبح و شام سے

جن کی تابانی میں انداز نہیں بھی تو بھی ہے

اور یہ کہ کتبت سیر کا پرتو بھی ہے

## شبنم اور ستارے

اک ات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے  
ہر صبح نئے تہجد کو میسر ہیں نظارے

کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے  
جو بن کے مٹے ان کے نشان دیکھ چکی ہے

زہر نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے  
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہ ہم سے بھی اس کشور پرکشش کا فناء

گاتا ہے سحر جس کی محبت کا ترا

اے تارو نہ چھو چھوستان جہاں کی  
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی

اتنی چھ جہاں سچکٹ جانے کی خاطر  
بے چاری کھلی کھلتی ہے مڑھانے کی خاطر

کیا تم سے کہوں کیا چین غم سوز گلی ہے  
تھکا ساقوئی شعلہ بے سوز گلی ہے

گل نالہ بیل کی صدا سن نہیں سکتا  
 ہیں مرغ نواز ریز گرفتار غضب ہے  
 رہتی ہے سدا نرگس بیار کی ترانگہ  
 دل سوختہ گرمی سرایت ہے ششاد  
 تائے شر آہ ہیں انساں کی زباں میں  
 نادانی ہے یہ گردِ زمیں طوفِ قمر کا  
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا  
 اکتے ہیں تیرے سایہ گل خارِ غضب ہے  
 دل طالبِ نیت روئے محروم نظرِ آنکھ  
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد  
 میں کرتی لڑو جوں گلستاں کی زباں میں  
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے ہاں داغِ جلر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر  
 فرماؤ کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

## محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑکتی  
 گردِ صلیب لڑتے حلقہ زن ہوتی  
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے تھے تمام  
 آخر میں عسکرِ ترکی کے حکم سے  
 حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا  
 شکری حصہ دارِ ورنہ میں محصور ہو گیا  
 روتے امیدِ آنکھ سے ستور ہو گیا  
 آئین جنگ شہر کا ستور ہو گیا

ہر شے ہوتی خوشیہ لکھ میں منتقل  
 لیکن فقیر شہر نے جس دم سنی یہ بات  
 شاپیں گدائے دانہ غصہ فور ہو گیا  
 کر ماکے مثل صبا جفتہ طور ہو گیا  
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا  
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج  
 سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

## غلام قادر رحمہ اللہ

نہ یہ کہ قدرتی عالم جفا جو، کینہ پرورتھا  
 دیا اہل حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے  
 نکالیں شادیوں کی آنکھیں نول خجے  
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آتما محشر سے  
 شہنشاہی حرم کی نازنیاں سمن سے  
 نہاں تھا حسن جن کا چشم مہر ماہ اختر سے  
 رواں دریائے خون شہزادیوں کے دھڑکتے  
 کیا کھیر کے پھر آواز سر کو بارہنہ سر سے  
 سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے  
 نہ یہ کہ قدرتی عالم جفا جو، کینہ پرورتھا  
 دیا اہل حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے  
 بھلا سیل اس فرمان غیرت کش کی ممکن تھی  
 بنایا آہ بسا مان طلب بیدار نے ان کو  
 لڑتے تھے دل نازل قدم مجبور خنیش تھے  
 یونہی کچھ دیر تک جو نظر آنکھیں ہیں اس کی  
 کمرے اٹھ کے تیج جاں آستان آتش فشاں لھولی

۲۳۶  
 مانگے در  
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پسہ کچھ سوچ کر لیٹا  
 بجائے خواب کے پانی نے اگلے اس کی آنکھوں کے  
 پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے  
 مراستہ پر سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا  
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمورانی بیٹی  
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل کیا سارے زمانے پر  
 حیت نام ہے جس کو گنتی تیمور کے گھر سے

## ایک مکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے  
 گو تو ہے ہوا کیسے تو ہوں میں بھی ہوا کی  
 پرواز خصلت ہے ہر صاحب پر ہے  
 مجروح حیت ہے ہوتی مرغ ہوا کی  
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی  
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز  
 ازاد اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفت  
 کیوں رہتے ہیں مرغ بن ہوا مائل بنداز  
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لغتار دل آزاد  
 حد ہے تری پرواز کی لیکن سر پرواز

واقع نہیں تو بہت مرغبان ہوا سے      تو خال شہین انھیں فزوں سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بگھڑائی

ماور صد و دانہ بہ نجم زود ہفتار

## میں اور تو

مذاق ویدے نا آشنا نظر ہے مری      تری نگاہ ہے فطرت کی راز و ان پھر کیا

رہین شکوہ آیام ہے زبان مری      تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے مہین آوارہ مثل موج نسیم      عطا فلاں کے کیا تجھ کو آستیاں پھر کیا

فزوں ہے سودے سرائیہ حیات ترا      مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیارے      مرا جب نہ ہے محرم با زبان پھر کیا

قوی شہیم چشما تو ان شہیم چہ

چنین شہیم چشما چناں شہیم چہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار سے

تو لہ بہار شدی ماغزاں شہیم چہ

۲۲۸

ماہنامہ دہلی

۲۳۲



# تضمین بر شعر ابوطالب کلیم

خوب ہے تجھ کو شعراء صاحب شربت کا پاس  
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں  
جس سے تیرے حلقہ خاتم میں گم ہوں تھا اسیر  
اے سلیمان! تیری غفلت نے لٹوایا وہ نکمیں  
وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کلب کی طرح  
جو لٹی ہے اُس سے اب آتشِ تیر جہیں  
دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا  
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت انگیز  
تیرے آبا کی نگاہیں تھی جس کے واسطے  
خافل اپنے اشیاء کے پھر آباد کر  
ہے وہی باطل ترے کاشانہ دل میں مکھیں  
نغمہ زن ہے طوطی حسن پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایہ شدن  
شعلہ ساں از ہر کجا بر خاستی آئینہ شایں“



# شبلی حلی

مسلم سے ایک روز یہ قہال نے کہا  
 تیرے سر و ذریتہ کے نفع سے علوم تو  
 پتھر ہے پس کے واسطے مریج نسیم بھی  
 مردان کا روضہ نمونہ کے اسباب عادت  
 پوچھ ان سے جو چین کے ہیں دیرینہ ازوا  
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا  
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خستہ  
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازوا  
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اہل کلبستان  
 دیوان خزانہ و گل میں تھے سیرا و جود فرد  
 تہذیب تیری وقت افکہ ٹائے ٹھن کی لرو  
 نازل بہت ہے آئینہ آبروتے مرد  
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخ لا جورد  
 کیونکر ہوئی خزاں تیرے گلشن کے ہم نبرد  
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی او سرود  
 اوراق ہو گئے شجرہ زندلی کے زرد  
 سرایہ لدا از تھی جن کی نوائے درد  
 حال بھی ہو گیا سوتے فرو و سٹ نور

”الکھنوں کو راو ملغ کہ پیرد ز باغیاں  
 بیل چغت و گل چشنید و صبا چرڈ“

۲۵۰  
 باغیچہ  
 ۲۳۲

# ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور آہینہ  
 سکوتِ شام سے تا غمِ سحر کا ہی  
 کشاکشِ نرم و گرم، تپ و ترش و غریب  
 مقامِ بہت شکست و فشار و سوز و کشید  
 اسی کشاکشِ رحیم سے زندہ ہیں اقوام  
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی  
 سہرت اس کی ہے شکل کشی، جفا طلبی  
 ہزار حرد ہائے فغانِ نیم شبی  
 زخاںِ تریہِ روزوں تا پیشہِ طلبی  
 میانِ قلعہ و میدان و آتشِ عنبری  
 یہی ہے از تب و تابِ ملتِ عربی

”معاں کہ دانہ انگوڑا آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



## صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا  
 ارشاد من کے فرط طرب سے عمر اٹھے  
 دل میں کہہ رہے تھے کہ جہدِ یقین غصے فر  
 لاتے غرض کہ مال رسول امین کے پاس  
 پوچھا حضورؐ فر عالم نے اے عمر!  
 زکما ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟  
 دس مال راہِ حق میں جمع ہوں تم میں مال دار  
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم تہی ہزار  
 بٹہ کر کے کالج و تدم میرا راہوار  
 ایشاکلی ہے دستِ نگر ابتدا سے کار  
 لے وہ کہ جوشِ حق سے تڑپے دل کو ہے قرار  
 مسلم ہے اپنے خویش اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی آگیا  
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفائِ شریعت  
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا  
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار  
 اس پر قمرِ شرم و شرفِ طر و حمار  
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار  
 بولے حضورؐ چاہیے منکرِ عیال بھی

اے تجھ سے دیدہ مرہ و نحس فروغ گیر! اے تیری فاست باعثِ تکوینِ روزگار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

## تہذیبِ حاضر

تضمینِ برشمِ فضی

حرارت ہے ہلاکیِ بادۂ تہذیبِ حاضر میں  
کیا کرتے کو جھنڈے کے تاپِ ستار اس نے

نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے

تغیر آگیا ایسا تہذیبِ تخیل میں

کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لکھ لکھ کر

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا

فروغِ شمعِ نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی

”تو اے پروانہ! اس خمِ شمعِ محفلِ ادبی

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخانا

کوئی دیکھے تو شوخیِ آفتابِ جلوہ فرما کی

یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

ہنس سی سمجھی لٹی فٹن میں غنچوں کی جگر چالی

مناظرِ دلکش اور لعل لکھی ساحر کی چالاک

رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہونہار

مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی

چومنِ آتشِ خود سو اگر سوئے داری“

# والد مرحومہ کی یاد میں

ڈوہ ڈوہ دہر کا زندانی تقدیر ہے  
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے  
آسماں مجبور ہے شمس و ستارے مجبور ہیں  
انجم سیلابِ پافستار پر مجبور ہیں  
جس شکست انجامِ غنچے کا سب گھزار میں  
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں  
نفسِ بھلیل ہو یا آوازِ خاموشیِ ضمیر  
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر  
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں  
خشب ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲  
بانگِ درا  
۲۳۸



قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں  
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں  
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے  
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے  
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں  
 آنکھِ میری مایہ دارِ اشکِ عجبابی نہیں  
 جانستاروں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز  
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز  
 میرے لب پر قصہٴ نسیمِ زلی و دراں نہیں  
 دلِ مرا حیراں نہیں، خداں نہیں، گریاں نہیں  
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہٴ پیہم کی ہے  
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے  
 گریہٴ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے  
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا  
 گنج آب اور دے سے سور ہے دامن مرا  
 حیرتی چوں میں تری تصویر کے اعجاز کا  
 رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا  
 رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا  
 عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا  
 جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں  
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں  
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے  
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے  
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور  
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور  
 زندگی کی آوج کاہوں سے اتر آتے ہیں ہم  
 صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں  
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں  
 کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار  
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار  
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ منیر یاد آؤں گا  
 اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا  
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا  
 گھر برے اجساد کا سرمایہ عزت ہوا  
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات  
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات  
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی  
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی  
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند  
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کار و بارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا  
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا  
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ  
 صبر سے نا آتشِ نا صبح و ساروتا ہے وہ  
 تنہم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی  
 شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائیہ برنا و پیر  
 آدمی ہے کس طلسمِ دوشِ فردا میں اسیر  
 کتنی مشکلِ زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت  
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت  
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، الام ہیں  
 کیسی کیسی دُختِ رانِ مادرِ ایام ہیں!  
 کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت  
 دشت و درمیں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

۲۵۸

بانگِ درا

۲۲۲

موت ہے منگامہ آراشِ لڑم خاموش میں

دُوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کُفت ہے

زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کلو افسار ہے!

قفلے میں غیرِ نیر و درِ اکچھ بھی نہیں

اک مستراحِ دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جاتے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گُستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہریاد پر مجبورِ بے بس ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کر دے گی انھیں بادِ بہار جاو واپس

خُفتہ خالِ پے پیر میں ہے شرار اپنا تو کیا

عارضی محسوس ہے یہ مُشتِ غبار اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خام خاکستر نہیں  
ٹوٹنا جس کا مست زہر ہو یہ وہ کوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے  
ذوقِ حقیقہ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے  
موت کے ہاتھوں سے ہٹ سکتا اگر نقشِ حیات  
عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ نامِ کائنات  
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں  
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں  
آہِ خافلِ موت کا راز نہاں کچھ اور ہے  
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے  
جستِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب  
موجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے حباب  
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ  
کتنی بیدروی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ درا

۲۶۲



پھر نہ کر سکتی حباب اپنا ار پیدا ہوا  
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا  
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر  
 یہ تو محبت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر  
 فطرت ہی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو  
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو  
 آہ سیاب پریشاں، انجسم لڑووں فروز  
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنون شب ہے جن کا سوز  
 عقل جس سر پر زانو ہے وہ دستِ ان کی ہے  
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے  
 پھر یہ انساں اُس سوتے افلاک ہے جس کی نظر  
 قدسیوں سے بھی مستِ اصد میں ہے جو پاکیزہ تر  
 جو مثالِ شمع روشنِ محسنِ قدرت میں ہے  
 اسماں ال نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتا ہے  
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مہضاب ہے  
 شعلہ یہ کمر سے لڑوؤں کے شراروں سے بھی کیا  
 کم بہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا  
 آنکھیں مل لی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواہ ہے  
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے  
 زندگی کا شعلہ اس دانے میں جستور ہے  
 خود کشی، خود کشی کے لیے مجبور ہے  
 سردی موت سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں  
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں  
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ  
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ  
 ہے لمحہ اس قوتِ اشفتہ کی شیرازہ بند  
 ڈالتی ہے لڑوؤں میں جو اپنی کمر بند

۲۶۲  
 ہفت روزہ  
 ۲۴۲

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے  
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے  
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں  
 موت اس فکشن میں جزِ سنجیدہ پر کچھ نہیں  
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لا دوا  
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا  
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں آبا ہے  
 حلقہٴ پنجیسرِ صبح و شام سے آزاد ہے  
 وقت کے افنوں سے تمنا نالہ ماتم نہیں  
 وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں  
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں  
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے چوتے ہیں رواں  
 ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و سنراو سے  
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشتِ آباد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے کو محسوس ہے  
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساس نامعلوم ہے  
 جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں  
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فتنہ ہوتا نہیں  
 رخت ہستی خالِ عین کی شعلہ افشانی سے ہے  
 سرورِ یہ آلِ اس لطیف احساس کے پانی کے ہے  
 آہ، یہ ضبطِ فغانِ غفلت کی حشاموشی نہیں  
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، سرِ اموشی نہیں  
 پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح  
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوئی ہے صبح  
 لالہ افسردہ کو آتشِ قبّہ کرتی ہے یہ  
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ  
 سینہ بے بیل کے زنداں سے سرورِ آواز ہے  
 سیکڑوں نعیموں سے باوجودِ بدم آواز ہے

خُفتِ تگین لاله زار و کوہسار و زوہار  
 ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمنار  
 یہ المرآتین ہستی ہے کہ جو ہر شام صبح  
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انج صبح  
 و ام سیمین تخیل ہے مرا آفتابِ لیر  
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر  
 یاد سے تیری دل درو آتشنا مہور ہے  
 جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا مہور ہے  
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات  
 جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات  
 مختلف ہر نزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے  
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے  
 ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے  
 سازگار آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

نورِ فطرتِ ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں  
 تنگ ایسا حلفتِ افکار انسانی نہیں  
 زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر  
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر  
 مثلِ ایوانِ سحر مرقدِ شروازاں ہو ترا  
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں ہو ترا  
 آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے  
 بسزۂ نور ستہ اس گھر کی نہیبانی کرے

## شعاعِ افتاب

صبح جب میری نلکہ سودائی نظر اٹھی  
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی  
 میں نے پوچھا اس کے آگے سراپا اضطراب  
 تیری جانِ ناشکیبامیں کے کیسا اضطراب  
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی کہ جس سے آسماں  
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

۲۶۶

باقی ہے دہا

۲۵۰



یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشی کیا ہے یہ  
قص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ

”نفسہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں  
پڑش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں  
منضرب ہر دم مری تقدیر لکھتی ہے مجھے  
جستجو میں لذتِ تنویر لکھتی ہے مجھے  
برقِ آتشِ خونہیں فطرت میں جاری ہوئیں  
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں  
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں جاؤں گی یہ  
راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دلِ لکھڑاں کی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حیاتِ بشاری بھی ہے  
سوئے الوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے

## غرفی

محل ایسا کیا تعمیرِ سرفی کے تختِ نلے  
تصدیق جس چہرے خاندانِ سینا و فارابی  
فضائے عشق پر تھرری کی اُس نے نوا ایسی  
میسر جس کے ہر آنکھوں کو اب تک اشدِ غائبی  
مرے دل کے اِل دُن اِس کی تڑپ کے شکایتِ نی  
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستابی  
مزاجِ اہلِ عالم میں تنہا ہے کیا ایسا  
کہ رخصت ہو گئی وہ نیا کی کیفیتِ وہ سیابی

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشِ جوتی ہے نہ ہوجبتِ چشمِ محفلِ آشنائے لطفِ بے خوابی  
 کسی کا شعلہ فریادِ غمِ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ سجھری آسمانِ تابی  
 صد اُترتے آتی "شکوۃ اہل جہاں" کم کو نوارِ تلخِ ترمی زینِ چوقِ غمِ کم یابی  
 حدیٰ آنیزِ ترمی خاں چوچملِ الراں مینی

## ایک خط کے جواب میں

جونس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تکِ تازِ حصولِ جا ہے بستہ مذاقِ تلاش  
 ہزار شکوہِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکوہ نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش  
 مے سخن سے لوں کی ہیں لمبیاں سرِ جہاں میں ہیں مثالِ سحابِ یاباش  
 یغمد ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش  
 ہوائے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی کیا ہے حافظِ زنجیں نوائے رازیہ فاش

مگر تہواست کہ باخضرِ ہم نشین باشی  
 نہاںِ چشمِ کھنڈرِ چو آبِ حیاں باشی



# نانا

قوم نے سینا کو تم کی ذرا پرانہ کی  
 آہ اب قسمت ہے آواز حق سے خبر  
 آشکارا اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا  
 شمع حق ہے جو ستور ہو یہ وہ محفل نہ تھی  
 آہ اشودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے  
 برہمن سرشک ہے اب تک مہرے پندار میں  
 بت لہو پھر بعد بدت کے مگر روشن چوہا  
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک اند کی  
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر  
 ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا  
 بارش حیرت ہوئی لیکن زمین قابل نہ تھی  
 درد انسانیت سے اس بستی کا دل بگناہ ہے  
 شمع کو تم جل رہی ہے محفل غبار میں  
 نور ابراہیم سے اند کا کھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اتو حید کی پنجاب سے  
 ہند کو ال مرد کامل نے جکایا خواب سے



# کفر و اسلام

تضمین بر شعر سیرت رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طوے  
 آتش فرو ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز  
 تھا جو اب صاحب مینا کہ سلم ہے اگر  
 ذوق حلق ہے تو پھر لازم ہے ایسا بن سیر  
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پڑا نہ کر  
 عارضی ہے شان حاضر سلطنت غائب مدام  
 شعلہ فرو ہے روشن زمانے میں تو کب  
 اے کہ تیرے نقش پائے اومی سینا چمن  
 ہو لیا آنکھوں کے پنہاں کیوں تر اسوہ کلمن  
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن  
 ورنہ خاسترے تیرے ندی کا پیہ بن  
 منتظرہ اومی مناراں میں ہو کر خمیر زن  
 اس وقت کو محبت کے ہے بھڑ جان و تن  
 "شمع خود را می که از دہر بیخ بن خسبن  
 نور ما چوں آتش سنگ از نظر نہاں جوشست"



۲۴۰  
 بانگ درا  
 ۲۵۲

## بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے  
 اہل مسلم میں جس کا بہت احترام تھا  
 جولاں کہ کسند رومی تھا ایشیا  
 لڑوں سے بھی طبعاً اس کا مقام تھا  
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے  
 دعویٰ کیا جو پس وارانے جنت تھا  
 دنیا کے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو  
 حیرت کے دیکھنا غلابِ نسیل فام تھا

آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی اوجھستیر  
 فطرت تھی جس کی نوز بہت سے مستنیر  
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بڑا  
 محکوم اس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر  
 ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط  
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے ہیر  
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جگر لہاز  
 صدیوں سے سن رہے ہیں جسے خوش چرخ ہیر

اقبال اس کے عشق کا فیضِ عام ہے

زومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

# مسلمان اور تسلیم شدہ

تضمین برسر ملک قومی

مرشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ  
بدلی زلمے کی ہوا، ایسا نیست کر لیا  
وہ شعلہ روشن تر غلٹ کر لیا جس سے تھی  
شیدائی غائب نہ رہا دیوانہ سوجھو  
ممکن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آورتری  
اس فور میں تسلیم ہے امراض ملت کی دوا  
رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے  
سین کا ہنگستہ ہیں دیکھئے زبون بختی مری  
لازم ہے ہرگز کے لیے دنیا میں سامان سفر  
تھے جو کراں قیمت کبھی اب میں ستار کس مخز  
گھٹ کر نہوا مثل شہر تاسے سے بھی کم نور تر  
غالب ہے اب اقوام پر موجود حاضر کا اثر  
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز چو  
ہے خون فاس کے لیے تعلیم شن مشیر  
واجب ہے صحیحہ اگر رو پر تعمیل فرمانِ خضر  
”رفتم کہ خار از پا شتم، محمل نہاں شد از نظر  
یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲

بانگ درا

۲۵۶



# پھولوں کی شہزادی

کھلی سے لہہ سی تھی ایک دُشمنِ گلستان میں  
 رہی میں ایک مدت غنچے پائے باغِ حنواں میں  
 تھکے گلستانِ کیفیت سرشار ہے ایسی  
 نکلے فروغِ حسنِ امن ہے میری چشمِ حیران میں  
 سنبھلے کوئی شہزادی ہے حاکمِ گلستان کی  
 کہ جس کے نقشِ پایے پھولِ جونِ بہارِ بیابان میں  
 کبھی ساتھ اپنے اس کے آستان تک مجھ کو لے چل  
 چھپا کر اپنے دہن میں رنگِ موجِ نو لے چل

کھلی بولی سرِ آراہماری ہے وہ شہزادی  
 درخشاں جس کی ٹھوکر سے چرخِ شمع بھی گھس جی  
 مگر فطرتِ ترمی اُفتندہ اور نیم کی شانِ اونچی  
 نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیشیں جی  
 پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک  
 کسی لہہ دروے کے کاشکِ آشیں جی  
 نظر اس کی پیامِ عید ہے اہلِ محترم کو  
 بنا دیتی ہے کو ہر غمِ دہوں کے اشکِ سیم کو

## تضمین بر شعر صائب

کہاں اقبال تونے بنایا اشیاں اپنا  
 نوا اس باغ میں بسل کو ہے سامانِ سواقی

شرائے ادبی امین کے توبوتا تو ہے لیکن  
 کل زور نفس سے بھی ہاں مل سونہیں سکتی  
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل فطرت کی  
 دل کاہ جب ابد ہو جاتے ہیں سینوں میں  
 نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس فطرت سے  
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کیسی دریا بیاں جلوہ گر باشد  
 نذر ونگناے شہر تاب حسن صحرائی“

## فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک ہر  
 اے آنکھ ز نور نہر نہر نیم فلک تاب  
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر  
 مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی لوت میں  
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی ست اثر  
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز  
 دامن بہ چرخ مر وخت زردہ امی باز  
 واماندہ منزل ہے کہ مصروف تک تاز  
 تمہی جس کی فلک سے زل بھی لرمی آواز  
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

جب پیر فلک نے ورق ایام کا لٹ  
ایکے گھر اس کے عقیدوں میں تزلزل  
وہیں ہو تو صفت صمد میں بھی پیدا ہو جندی  
مذہب کے گمراہی اسرا ہے باقی  
بنیاد لہرز جاتے جو دیوار چسمن کی  
پانی نہ ملازم زم زم ملتے جو اس کو  
یہ ذکر حضور پر شریعت میں نہ کرنا  
اتنی یہ صفا پاؤں کے تعلیم سے اسرا  
دنیا تو ملی ہٹا کر دین لکھیا پر از  
فطرت ہے جانوں کی زمینیں یہ زمین تاز  
وہیں خیر ہے جمعیت ملتے اسرا  
ظاہر ہے کہ انجیل و عہد کتب کا آغاز  
پیدا ہوئی تھی نواد میں احکام کے انداز  
سمجھیں نہ کہیں منہ کے سلم مجھے نماز

خبر مانسواں یافت ازاں خار کشتیم  
دینا ستواں یافت ازاں چشم کشتیم  
(سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ  
پیدا نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا  
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش  
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

محوس پر پناہ عسوم جد کی  
 اس فور میں ہے شیشہ عقیقہ کا پاش پاش  
 مذہب سے جس کا نام وہ ہے ال جنون خام  
 جسے جس آدمی کے تختہ سیل کو انتقام  
 کہتا ہے فلسفہ زندگی لچھ اور  
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است  
 ہر چہ عقل کل شدہ امی بے جنوں رہا“

## جناب یرمول کا ایک واقعہ

صفت تھی عرب کے جوان تنیغ بند  
 تھی منتظ جن کی عروس بن زمین شام  
 اک نوجوان صورت سیاب مضطرب  
 اگر ہوا اسے عساکر سے ہم کلام  
 اے بوجہ یہ رخصت کیا دے مجھے  
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام  
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں  
 اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام  
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں  
 لے جاؤں گا خوشی سے الر سو کوئی پیام  
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ  
 جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام  
 بولا اسیہ فوج کہ ”وہ نوجوان ہے تو  
 پیروں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احرام“

۲۶۶  
 بانگ درا  
 ۲۶۰

پوری کرے خداے مستد تری مراد      کتابت تیری محبت کا ہے مقام  
پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو      کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم الیک خداے غیور نے  
پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

## مذہب

اپنی ہمت پر قیاس اقوام مغرب کے نہ کر      خاص ہے ترکیب میں قوم سول ہاشمی  
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار      قوت مذہب سے حکم ہے جمعیت تری  
واسن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں  
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ہمت بھی لٹی

## پیوستہ شخص کے مہیہ در بہار رکھ

ڈالی کئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ      ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہا سے  
ہے لازوال عمدہ خزاں اس کے واسطے      کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برل با سے

ہے تیرے گھٹاں میں بھی فصل خزاں کا دور  
 خالی ہے جیب گُل زر کا مل عیب سے  
 جو نعمت زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور  
 رخصت ہوئے تھے شجر سایہ دار سے  
 شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو  
 نا آشنا ہے فتاعدہ روزگار سے  
 رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ  
 پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

## شب معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلاں سے آواز  
 سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات  
 رویہ گام ہے بہتے گئے لیے عرشِ بریا  
 کہہ ہی ہے یہ سیلِ سان سے معراج کی رات

## پھول

تجھے کیوں فکر ہے اگلے گلِ دلِ صدفِ عیال کی  
 تو اپنے پیرِ سن کے چال تو پہلے رفو کر لے  
 تنہا ابرویں ہوا لکھزار ہستی میں  
 تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے  
 صنوبرِ باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے  
 انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کر لے



تنگ بخشی کو ہتھنا ہے پیغامِ حیات ہے  
 نہ رہت کشتِ شبنمِ بکلوں جامِ بوسہ کرے  
 نہیں یہ شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو  
 کوئی ستار میں لکھے کوئی زیبِ گل کرے  
 چمنِ غنچہ پہل سے یہ کہہ لڑاؤ کشتی شبنم  
 مذاقِ جوڑ چپین ہو تو سپید رنگِ بکرے  
 اگر منظور ہو تجھ کو خسرانِ آتش نار ہوا  
 جہانِ رنگِ بوسے پہلے قطعِ آرزو کرے

اسی میں دیکھ بھڑکے جمالِ ندلی تیرا  
 جو تجھ کو زینتِ اسن کوئی آئینہ نہ کرے

## شکایتیں

شفقِ صبح کو دریا کا خرامِ آئینہ  
 نغمہ شام کو خاموشی شامِ آئینہ  
 برلِ گلِ آئینہ عارضِ زیبِ بہار  
 شاہوے کے لیے جملہ جامِ آئینہ  
 حسنِ آئینہ حق اور دلِ آئینہ حُسن  
 دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلامِ آئینہ

ہے تیرے فکرِ فلک سے کہاں ہستی  
 کیا تیری فطرتِ روشن تھی کہاں ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا  
 تابِ رخسید میں رخسید کو پہنا دیکھا

چشم عالم سے تو ہستی رہی ستوری  
اور عالم کو ترسی آنکھ نے غریاں دیکھا

خط اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا

رازواں بھرنے لڑکے کی کوئی پیدا ایسا

## میں اور تو

یہ سلیقہ مجھ میں ظہیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درخت تو پریدہ زلف رسیدہ نو

مرا عیش غم مرا شہد غم مری بوہم نفس عدم

وہم زندگی زہم زندگی جسم زندگی جسم زندگی

ترخی حال میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اپنے حرم سے بنا

گدہ جھانے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستیزہ گاہ جہاں تھی نہ حرف پنج گونہ

کرم اے شہ عز و عجم کہ لکھتے ہیں منتظر کرم

میں ہلاک جلتے سامری تو قتل شوق ازری

میں حکایت جسم آرزو تو حدیث قائم لہری

ترا دل حرم لڑ مجھ جسم ترا دین سیرۃ کافری

غم غم نہ کہ جسم غم نہ لکھا یہی ہے شان قلندری

کہ جہاں میں ناں شعیر ہے ارقوت حمیدی

کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربت سمندی

کسی بیکے میں بیاں کروں تو کہ جسم بھی بھری

وہی فطرت است اللہ ہی رحمتی وہی عنتری

وہ لکھتے تو نے عطا کیا ہے جنہیں مانع کندی

# اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بند  
قطرہ نیساں ہے ندانِ صدف کے ارجمند  
نشبِ اُفرحیر کیا ہے ال لہو کی بوند ہے  
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آنہو میں بند  
ہر سی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر  
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دامِ قفس کے بہر مند

”شہرِ چراغ و زغن بند قید و صید نیست  
اس سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کو داند“

# درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے  
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی  
نہیں تجھ کو تاریخ سے الہی کیا  
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی  
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے  
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید  
کہ از دیکراں خواستن مومیائی“

## ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی      تیری چنگاری چہ راغ انجمن افروز تھی  
 گرچہ تھاتیرا ترن جنت کی نزار و درہند      تھی ستارے کی طرح روشن تھی طبع بلند  
 کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا      شعلہ لڑوں نور واکِ نشتِ خاستہ میں تھا  
 موت کی لکین دل و انا کو کچھ پروا نہیں      شب کی خاموشی میں مجھ کو ہنگامہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی  
 ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



# خنسراہ

شاعر

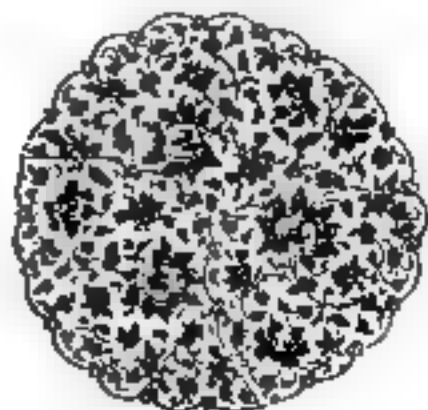
ساحل دریا پہ میں اک راست تھا منظر  
کوشہ دل میں چھپاتے اک جہان مضطرب  
شب سکوت سنرا، ہوا اسودہ، دریا نرم شیر  
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب  
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار  
موج مضطرب تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب

رات کے افقوں سے طائر آشیانوں میں اسیر  
 انجم کلم ضو گرفتار طلسم ماہیتاب  
 دیکھنا لیا ہوں کہ وہ پیاب جہاں سب ناخضر  
 جس کی پیری میں ہے مانسہ سحر زنگ شہاب  
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جیاتے اسرار ازل  
 چشم دل واپو تو ہے تعتر پر عالم بے حجاب  
 دل میں یہ سن کر بپا ہوا سنگامہ محشر ہوا  
 میں شہید جستجو تھا، یوں سخن ستر ہوا  
 اے تری چشم جہاں ہیں پر وہ طوفان آشکار  
 جن کے ہنکامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش  
 کشتی مسکین، و جان پال، و دیوارِ ستیم  
 علم موسیقی بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش  
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نور  
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش



زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے  
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خر و ش  
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویر نہ چاک  
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش  
 گرچہ اسقدر رہا محروم آپ زندگی  
 فطرت اسقدر ہی اب تک ہے گرم ناؤ نوش  
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ  
 خال و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولاد ابراہیم ہے نرود ہے  
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!



# جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے  
یہ تگاپوتے و مادم زندگی کی ہے دلیل  
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں  
گو بخشی ہے جب فضلتِ دشت میں بانہِ حیل  
ریت کے نیلے پہ وہ آہو کا بے پروا حرام  
وہ حشر بے برل و سماں وہ سفر بے سنگ و میل  
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پائے سنگِ صبح  
یاں سیاں باہم کردوں سے جسے حسینِ حیرین  
وہ سکوتِ شامِ صحرایں غروبِ آفتاب  
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ ندیل

۲۸۶

بانگِ درا

۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کارواں  
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی  
 تازہ ویرانے کی سوداے محبت کو تلاش  
 اور آبادی میں ٹوڑ بھری کشت و خیل  
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی  
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

## زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی  
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی  
 تو اسے پیمانہ امروز و سنہ اسے نہ ناپ  
 جاوہاں پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی  
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے  
 ستر آدم ہے، خمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ  
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں ہے زندگی  
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب  
 اور آزادی میں جسے بے کراں ہے زندگی  
 آشکارا ہے یہ اپنی خوشی تسخیر سے  
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی  
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حجاب  
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی  
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو  
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو  
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ  
 پہلے اپنے پیکر خالی میں جاں پیدا کرے  
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار  
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کروے آشکار  
 تا یہ چنگاریِ فسورغ جاوواں پیدا کرے  
 خاکِ مشرق پر چمک جاتے مثالِ آفتاب  
 تا بدخشاں پھر وہی مسلسل گراں پیدا کرے  
 سوتے کروڑوں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے بغیر  
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے  
 یہ کھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے  
 پیش کر عتافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

## سلطنت

ابست اؤں تجھ کو رمزِ آیتِ اِنِ التَّوَكُّلِ  
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاوولری  
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسِ الم  
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

جاوے محسوس کی تاثیر سے چشم ایاز  
 دیکھتی ہے حلقہ کرون میں ساز دلبری  
 خون اسہ ایل آجاتا ہے آئینہ جوش میں  
 توڑ دیتا ہے کوئی ٹوٹا سی طلسم سامری  
 سرور ی زیبا فقط اس فضا میں ہے ہوتا ہے  
 حکمراں ہے ال وہی باقی بہت ان ازری  
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا کن  
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری  
 ہے وہی ساز کنن مغرب کا جمہوری نظام  
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری  
 دیو استبداد جمہوری قبایم میں پائے کوب  
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلیم پری  
 مجلس امن و اصلاح و رعایات و حقوق  
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری



گرمیِ گفتار اعضائے مجالس، الاماں!  
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زرگرمی  
 اس سرمایہ نگ و نو کو کلاستان سمجھا ہے تُو  
 اہلے نواں! قفس کو اشیاں سمجھا ہے تُو

### سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب کار مراپینام دے  
 بنظرِ کارپینام کیا ہے یہ پیامِ کائنات  
 اے کہ تجھ کو کھا لیا سرمایہ دارِ حیدر  
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات  
 دستِ دولتِ آفسریں کو مزدیوں ملتی رہی  
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات  
 ساحرِ الوط نے تجھ کو دیا برلِ شیش  
 اور تُو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، زندگی  
 خواجہ اہلی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات  
 کٹ مرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے  
 سکر کی لذت میں تو لٹوا لیا نعتِ بد حیات  
 مگر کی چپالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار  
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات  
 اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے  
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے  
 ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول  
 غنچہ سراں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک  
 نعمتِ بیداری جمہور ہے سامانِ پیش  
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک  
 افتابِ تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا  
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام کب تک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام  
 دُورِ جنت سے روتی چشمِ آدمِ کب تک  
 باغبانِ چارہ منہ سے یہ کہتی ہے بہا  
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مریم کب تک  
 کرکسِ نادانِ اطوافِ شمع سے آزاد ہو  
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

## دُنیا سے اسلام

کیا نہانا ہے مجھے شرک و رب کی استاں  
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سنا  
 لئے تیش کے فرزندِ میراثِ خلیل  
 خشتِ بنیادِ علیسا بن لئی خالِ حجاز  
 ہو گئی رُسوا زمانے میں کلاہِ لالہ زنا  
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس  
 وہ مے کشِ حرارتِ جس کی ہے عینِ لدا  
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت چوتی  
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان  
 چوکیا مانند آبِ ازناں سماں کا لہو  
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن  
 گفتِ رومیؒ "پہر بندے لہنہ کا باداں کسند"  
 می ندانی "اؤل ال بنیاد را ویراں کسند"  
 "ملک ہاتھوں کی ملت کی آنکھیں کھل گئیں"  
 حق ترا چشمِ عطا کر دستِ غافل درنگ  
 موسیٰؑ کی لدائی سے تو بہتر ہے شکست  
 نورِ بے پر اے حاجتِ پیشِ سلیمانؑ نے مہر  
 ربط و ضبطِ ملتِ مضرب ہے مشرق کی نجات  
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں  
 نکلتے دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ  
 ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے  
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ مال کا شجر  
 جو کرے کا امتیاز رنگِ خونِ مٹ جانے کا  
 شرکِ حشر کا ہی ہو یا عمرانی والا لہر  
 نسلِ ارسلم کی مذہب پر مقدم ہوتی  
 اویس دنیا سے تو مانسہ خال رہ کر  
 تاحِ خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار  
 لاکھوں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر  
 اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش  
 اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش  
 عشق کہ سرِ یاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی  
 اب ذرا دل تھام کر سرِ یاد کی تاثیر دیکھ







# طلوع اسلام

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی  
 افق سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی  
 عسروںِ مرقہ مشرق میں خونِ زندگی وڑا  
 سمجھ سکتے نہیں اس از کو سینا و تباری  
 سماں کو سماں کر دیا طوفانِ مغرب نے  
 تلامم ہاتے دریا ہی سے ہے کوہِ سیرابی  
 عطا مومن کو پھر در کا حق سے ہونے والا ہے  
 شکوہ ترک سانی، دہنِ ہندی، نطقِ عربی  
 اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اسے طبعی  
 ”نوار تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“  
 تڑپ صحنِ چمن میں، اشیاں میں شاخساروں میں  
 جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تعدیرِ سیما بی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستوان دیکھے  
 نظر آتی ہے جس کو مرد عسائی کی جلد تابی  
 خمیر لالہ میں روشن چراغِ ارزو لکڑے  
 چمن کے ڈڑے ڈڑے کو شہیدِ جستجو لکڑے  
 سر شامِ چشمِ سلم میں ہے نیاں کا اثر پیدا  
 خلیل اللہ کے دریا میں یوں کے پھر لہر پیدا  
 کتابِ ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے  
 یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برب و بر پیدا  
 ربود اس ترک شیرازی دل تبریز و کابل را  
 صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سن پیدا  
 اگر عثمانیوں پر لوہہ ہم ٹوٹا تو کیا عنہم ہے  
 کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا  
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی  
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸

باقی ہے در

۲۸۲

ہزاروں سال زرخس اپنی بے نورمی پڑتی ہے  
 بڑی مشکل سے جوتلے چمن میں دیدہ و پر پیدا  
 نوا پیرا ہوا نعلیبل کہ جوتیرے ترنم سے  
 کہو ترکے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا  
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہے  
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہے  
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے  
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کماں تو ہے  
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی  
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے  
 مکان و مانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا  
 خدا کا احسن پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے  
 حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا  
 ترمی نسبت براہیسی ہے معیار جہاں تو ہے

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی  
 جہاں کے جو ہر منہ کا گویا امتحاں تو ہے  
 جہاں اب کل سے عالمِ جاوید کی خاطر  
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ ارجاں تو ہے  
 نیکی سے سرگزشتِ ملتِ بیضا سے پیدا  
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے  
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا  
 لیا جاتے گاتھ سے کامِ دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی  
 اخوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی  
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں کلم ہو جا  
 نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی  
 میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن لب لباب  
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمانِ آباد ہستی میں میتیں مردِ سدا کا  
 بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ بہانی  
 مٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے  
 وہ لیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ نوؤں، صدقِ سلمان  
 ہوئے اصرارِ ملتِ جاوہِ پیاسِ تھمتل سے  
 تماشا کی شکافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی  
 ثباتِ زندگی ایمانِ کلم سے ہے دنیا میں  
 کہ انسان سے بھی پائندہ تر نکلا ہے ثورانی  
 جب اس انکارِ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا  
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روحِ الایم پیدا  
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں  
 جو ہو ذوقِ معیتیں پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں  
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا  
 نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علم، شیا کی جہاں لیری  
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال تحت ایماں کی تفسیریں  
 براہی میں نظر پیدا ملے شکل سے ہوتی ہے  
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں  
 تیز بندہ وقت فساد آدمیت ہے  
 حذر اے چیرہستان! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں  
 حقیقت ایسے سرشے کی، حاکم کی ہول نوری ہو  
 لہو غور شید کا شپ کے رفتے کا دل چسپیں  
 یقین حکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم  
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی ششیریں  
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے  
 دل کرے، نگاہ پاک پینے، جان بیتابے  
 عجبانی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے  
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے



ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے  
 طمانچے موج کے لکھاتے تھے جو بن لکھ نکلے  
 غبارِ رہ لزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو  
 جہینہ خال پر رکھتے تھے جو اسیر نکلے  
 ہمارا نرم روفت اصد پیامِ زندگی لایا  
 خبر دیتی تھیں جن کو بلبلیاں و دے بے خبر نکلے  
 حرمِ رسوا ہوا پیرِ حرم کی لم نکا ہی سے  
 جوانانِ تزاری کسی دستِ در صاحبِ نظر نکلے  
 زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کرتے تھے  
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے  
 جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں  
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یقین اسرار کا سیرِ تعمیرِ ملت ہے  
 یہی قوت ہے جو صورتِ لطفِ قدرت ہے

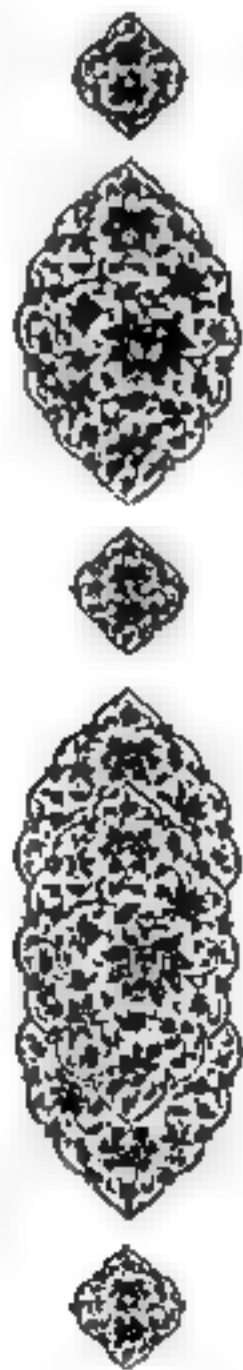
تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا  
 خودی کا راز واں ہو جا حسد کا ترجمان ہو جا  
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو  
 اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا  
 یہ ہندی و شہر اسانی، یہ افغانی، وہ تورانی  
 توائے شہر مندہ ساحل! اچھل کر بے لراں ہو جا  
 غبار الودہ رنگ و نسب ہیں بال و تریسے  
 توائے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا  
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ ستر زندگانی ہے  
 نکل کر حلفتِ شام و سحر سے جا وداں ہو جا  
 مصافِ زندگی میں سیرتِ فولا و پیدل کر  
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا  
 گزر جا بن کے کیل شند کو کوہِ بویاں کے  
 گلستاں راہ میں آئے تو جھٹے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی  
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے  
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکار ہی ہے  
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی  
یہ سناعی مگر جھوٹے نلوں کی ریزہ کاری ہے  
وہ حکمت ناز تھا جس پر غرور مند ان مغرب کو  
پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے  
تدبر کی فنون کاری سے محکم نہیں سکتا  
جہاں میں جس تمدن کی بنا سڑیہ دار ہی ہے  
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی  
یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے  
خروشیں سوزِ بیل ہو، بکرہ غنچے کی والروے  
کہ تو اس ملکِ ستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی  
 زمیں جولاں لہر اسلس قبایق تار می ہے  
 بیابان خنریدارست جان ناتوانے را  
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"  
 بیاساقی نوالے مرغزار از شاخسار آمد  
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تار آمد  
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر وادی صحرا  
 صدائے آبشاراں از منہ از کوہ ہزار آمد  
 سرست کردم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی  
 کہ خیل نعلین پر و ازاں قطار آمد قطار آمد  
 کنار از زاہدان بر سر بے باکانہ ساغر شس  
 پس از مدت از زیر شاخ لہن بانہ ہزار آمد  
 بہشتا قاف حدیث خجستہ بدروہ بنیاد  
 تصرف ہای پنهان نشبحشم اشکار آمد

دگر شاخِ خلیل از خونِ مانم ناک می گردد  
 بس از ار محبتِ نعتِ ماکمل عیار آمد  
 سرِ خالِ شید بے برلِ لاله می پاشم  
 که ز خوش بهر سالِ ملت با سازد  
 ”بیاتاکل بنفشانیم و در ساغر اندازیم  
 فلک استقف بشکافنیم و طرح دلیراندازیم“



[illegible]

۳۰۸  
بانگ درا  
۲۹۲



# غزلیات



اے بادِ صبا! کسلی وائلے سے جا کہیو پیغام مرا  
قبضے سے اُمتِ بیچاری کے دیں بھی کیا، دنیا بھی لیتی  
یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا  
ہے دورِ جہاں بحرِ ابھی، تو دریا میں کھسبرا بھی لیتی  
عزت ہے محبت کی فتانم اے قیس! حجابِ محل سے  
محل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی لیتی، لیدا بھی لیتی  
کی ترکِ تائب و دو قطرے نے تو آبروئے کوہِ بھی ملی  
اوار کی فطرت بھی لیتی اور شکستِ دریا بھی لیتی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا  
پیغام سکوں پہنچا بھی لیتی، دل محض کا ترپا بھی گنتی



یہ سر و قمری بوسل فریب خوش ہے  
تیرے پیماؤں کا ہے یہ اے مے مغرب اثر  
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے  
خند زن ساقی ہے ساری انجمن کے چوش ہے  
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں  
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے  
اوہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں  
چلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے  
زندگی کی رہ میں حل لکین فریج بچ کے حل  
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار ووش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے  
اگلے اقبال اوہ بوسل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسل شوریدہ ترا خام بھی  
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل  
اپنے سینے میں اسے اور رات تمام بھی  
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی  
بے خطر کو دڑا آتش نمرود میں عشق  
عقل ہے محو تماشا تے لب بام بھی

عشق فرمودہ قاصد سے سب کا عمل  
 شیوہ عشق ہے ازادی و دہر آشوبی  
 عذر پرہیز کیست ہے جو کر ساقی  
 سعی سہم ہے تراژوئے کم و کیف حیات  
 ابرغیاں یہ تینکے بخشی شبنم کب تک  
 باوہ لردان مجسم وہ عربی میری شراب  
 عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی  
 تو ہے تار ہی بُت خانہ ایام بھی  
 ہے ترے دل میں ہی کاوشِ انجام بھی  
 تیری میزیاں ہے شمارِ شام بھی  
 مرے نسا کے لالے ہیں تہی جام بھی  
 مرے سانغ سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم  
 نو گرفتارِ پھر کت سے تیر دام ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمنِ آرائی کر  
 توجو بجلی ہے تو یہ چشک پہناں کتب  
 نفسِ حرم کی تاثیر ہے عجب از حیات  
 کب تک طور پہ درِ نوزہ لری مثلِ طیم  
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم  
 چشمِ مہر و مہ و انجم کو تاشائی کر  
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر  
 تیرے سینے میں لکھ رہے تو سیاحتی کر  
 اپنی ہستی سے حیاں شعلہ سینائی کر  
 دل کو بیگکانہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرتا چھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر  
پہلے خود دار تو مانند کندہ ہو لے پھر جہاں میں ہو جس شوکت دارائی کر

دل ہی جاسے لی بھی منزل سیلی اقبال  
کوئی دن اور ابھی باد یہ سپائی کر



پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو  
تو خاک کی سُٹھی ہے اجڑائی حرارت سے برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بے باں ہو  
تو جنس محبت ہے قیمت ہے لڑائی تیری کم مایہ ہیں سوا کڑاٹس میں اڑاں ہو  
کیوں سانکے پردے میں مستور ہو لے تیری تو نغمہ زنجیں سے ہر گوش غیبیان ہو  
اے ہر دہن نہ اندازے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شب بنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں غم ہے تن آسانی  
مقصود ہے اگر منزل غارت کر ساماں ہو



کبھی اے حقیقت غنظر نظر الباس محاذ میں کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جہین نیاں ہیں

طرب آشنائے غروبش ہو تو نوا ہے محرم خوش  
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئندہ ہے وہ آئندہ  
 دم طوف کماشمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کمن  
 نہ کہیں جہاں میں ناں ملی جو ماں ملی تو کہاں ملی  
 نہ وہ عشق میں ہیں میاں نہ وہ حسن میں ہیں شویا  
 جو میں سر سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے کئے لکلی صدا  
 ترا دل تو ہے صنم آشنائے تجھے کیا ملے کا نماز میں

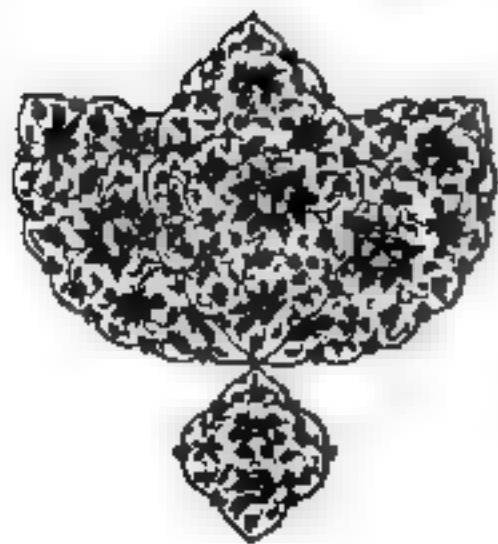


تہ دام بھی غزل آشنائے طراں چن تو کیا  
 ترا جلوہ کچھ بھی سبلی دل نا صبور نہ کور کا  
 نہ خدار ہا نہ صنم ہے نہ رقیب میر و حرم رہے  
 مرا ساز الہیہ ستم رسید زخمہ ہا عجب ستم  
 وہ شہید فوق و فاعوں میں نوا امری ملی رہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے      قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ  
 عقل کو تنقید سے فرصت نہیں      عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ  
 اے سداں! ہر لہری پیش نظر      ایہ "لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادُ" رکھ

یہ لسانِ مصطفیٰ ہے  
 "إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۴  
 یاد رکھ  
 ۲۹۸



# ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں      مغرب میں مکرشیں بن جاتے ہیں  
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتے      واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں پھر رہی ہیں انگریزی      ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ  
روشیں مغربی ہے مدِ نطنہ      وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ  
یہ ڈراما دکھاتے گا کیا سین      پر وہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پردے کو آتی حائمی      مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدلن ہو گئے  
عظیمی نہ ٹو یا کل آپ کے یہ صاف صاف      ”پردہ آخر کس سے ہو جب مردہ ہی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ نیاوٹ چاہے کی  
 آگ ہے اب ہر دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے نوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت خجرات آتیں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک  
 بستے ہیں ہند میں جو خسیہ رپی فقط آغا بھی کے آتے ہیں اپنے وطن پرچم بند  
 میرا یہ حال نوٹ کی ٹوچاٹا ہوں میں اُن کا یہ حکم دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک  
 کہنے لگے کہ اونٹ ہے مجھ سا جانور اچھی ہے کٹے رکھتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب نو کے سامنے سر پناہ کس میں  
 روجہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ قسم لیں

تہذیب کے مرض کو لولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶  
 ہمارے دل  
 ۳۰۰

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاد کے عوض      دل چاہتا تھا بدیہِ دل پیش کیجے

بدلانِ زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق  
کھتا ہے ماسٹر سے کہ دل پیش کیجئے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت بٹک  
چھتریاں، زو مال، مغل، پیرہن جاپان سے  
اپنی غفلت کی یہی حالت ازلتِ اتم ہی  
اتیں کے غسالِ قابل سے لغن جاپان سے



ہم مشرق کے سکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے  
اس فور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ جا چکا ہے  
ایسے شیخ و برہمن، سنستے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں  
وانِ انٹرنیٹ بھری ہیں ٹاں ایک پرانا منگھ ہے  
جو قائم اپنی راہ ہے اور پکا اپنی نیت کا ہے  
گروں کے کتنی بلندی کے قوموں کو دے چکا ہے

یا مایہ سار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی کے یا قرآنی یا منگھ ہے



”اھلِ شہود و شہادہ و شہود ایک ہے“      غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ اپنا آپ بھئی کچھ  
کہتے تھے لعنہ اللہ سے کل اہل دیر کیا  
ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے  
افت بتوں سے ہے تو برہمن سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دنیا نکل گیا  
قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی  
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی  
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے  
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا  
مہذبے تو اے عاشقِ اقدم باہر دھڑ سے  
یہ مانا دروِ ناکامی لیا تیرا لڑھ سے  
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقدِ دلوادو  
کراتے پر سنگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر  
مغرب میں ہے جہازِ بیاباں شتر کا نام  
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے  
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خیر و حکومت ہیں کونسلیں  
آغاز ہے بارے سیاسی سال کا

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا  
سیکھیں سلیقہ اب اُمرِ عمری سوال کا



ممبری اسپیرٹل کنسل کی کچھ شکل نہیں  
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟  
میرا خائب خدا بخشے، بجا فرمائے  
ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں لھائیں گے کیا؟



دلیل مہر و وفا اس کے بڑھ کے کیا ہوگی  
نہ چھوڑے اُلفت تو یہ ستم نہ سہیں  
نہ صرف حلقہ ہمیشی میں کچھ کہیں ہم بھی  
مگر رضائے ظلمت کو بجانب لیں تو ہمیں  
سند تو لیجئے لوگوں کے کام آتے کی  
وہ مہربان ہیں اب پھر ہیں ہوش رہیں  
زمین پر تو نہیں ہندویں کو جا ملتی  
مگر جہاں میں ہیں خالی سندوں کی اتھیں

مشاکشتی بے طسیع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں



فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ  
لغار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش  
مشرک ہیں جو کھتے ہیں شرک سے لین دین  
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی  
 سن لے کر ہے گوشِ مسلمان کا حق نوش  
 اک باوہ کش بھی عطر کی محفل میں تھا شریک  
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بارگوش  
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی  
 پابند ہو تجارتِ سامانِ خورد و نوش  
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی  
 ہندوستان میں ہیں طرہ لو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے شرق کی تجارت کتب  
 شیشہ ہیں کے عوض جام و سبوتیتا ہے  
 ہے مداوائے جنوں شہرِ تعلیم جدید  
 میرا سر جن کِلیت سے لہو لیتا ہے

گائے ال دہر ہوتی اونٹ سے بڑی کریم سخن  
 نہیں ال حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار  
 میں تو بدنام ہوتی توڑ کے رسی اپنی  
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے جہاں  
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں ایم  
 ریل چلنے سے مکر و دشتِ عرب میں سیکہ  
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر  
 آج یہ کیل ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی  
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ چھلاتے زہا  
 نہ رہا آنتہ دل میں وہ دیرینہ غبا



جب تیرے رُسنی اونٹنے ہر مال کے کہا  
 رشک صد غمزدہ اُشتر ہے تیری ایک کھیل  
 ترے ہنگاموں کی تاثیر یہ پھیلی بن میں  
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا  
 گوشت و شتر و گاو و پند و خرنند  
 باغبان ہو سبق آموز جو بلیزگی کا  
 دے ہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی  
 ہے تیرے چاہنے والوں میں ہمارا بھی شہ  
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے بیا  
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے اق کفار  
 کچھ کچھ پاس نہیں چارابھی لھاتے ہیں اوصا  
 ایک ہی تک میں نہیں جوتے ہے اپنا وقا  
 ہمزیاں ہو کے رہیں کیوں نہ طیو کھڑا  
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفتا بھی شہ

”دلق حافظ کچھ ارزو بہ شش رنگیں کن  
 و انجشست و خراب از رہ بازار بیا“



رات پھرنے لہو یا مجھ سے  
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہ لہو  
 جبر اپنی ناتسامی کا  
 جلد شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ پسوہ دار نے رحمت  
 پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجیل سے نازل ہوئی مجھ پر  
 لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا  
 کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن  
 اس جنگ میں آخر نہ یہ ہار نہ چہیستا

مند سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری  
 مسجد نے نکلتا نہیں ضدی ہے سیستا

جان جاتے ہاتھ سے جاتے زرت  
 ہے یہی اک بات ہر مذہب کا ثبوت  
 چھبے ایک ہی تھیل کے ہیں  
 سانپ کا رمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سطر و دنیا میں صف آہ ہو گئے  
 دیکھے ہوئے کس کس کی متاؤں کا خون  
 حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز  
 نل نہیں جتا تو کشت شمشیر  
 کھل گئے یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام  
 چشم مسلم و عید کے تفسیر حرف و میلون

شام کی سرحد رخصت ہو وہ زندلم نزل  
 رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے قی

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس وجہ جبریت کا مقام  
 رنگ ال پل میں لجاتا ہے یہ نیلی رواق  
 حضرت لڑن کو اب کمر مٹاوا ہے ضرور  
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بولا لایق  
 وفد ہندستان سے کمرے میں سر اغا خان طلب  
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟

تکرات بھی مزاج و مالک میں ایک روز  
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے نہیں  
 کہتا تھا وہ کہے جو رعایت اسی کا طہیت  
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں  
 پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کمال تو  
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین  
 مالکے یا مزاج شوریدہ حال ہے  
 جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اٹھا کر پھینکا دو باہر گلی میں  
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں سے  
 اکشن مہم سہی، کنسل، صدارت  
 بنائے خوب ازادی نے پھینکے  
 میان نجار بھی پیلے گئے ساتھ  
 نہایت تیز ہیں یورپ کے بندے

کارخانے کا ہے مالک غروں مالرو کا  
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ساز کا  
حکیم حق ہے نفیس لہذا انسان الا ماسعی  
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل گفتگو تھی کارخانے میں  
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کار کا  
مگر کرنے کیا خوب نسل لان بنوایا  
کوئی اس شہر میں کب نہ تھا سڑیہ اروس کا

مسجد بنادی شہجے میں سماں کی حرارت اونس  
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں مازی بن سکا  
کیا خوب فیصل کو سنو سی نے پیغام یا  
تو نام اوسکے مجازی ہے پر دل کا مجازی بن سکا  
ترا نکھیں تو جاتی ہیں کیا لذت اس نسیمیں  
جب خج بن بکر کی امیرش سے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیش کش ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے  
گفتار کا عین مازی تو بنا کر وار کا عین مازی بن سکا

۳۲۲  
ہفتویہ دریا  
۳۰۸



# بالِ جبریل

اقبال

۳۲۵  
بالِ جبریل

بال جبریل  
نفس منیر

اُمّہ کہ خورشید لاس مان سفر تازہ کریں  
نفس کو خورشید شام و سحر تازہ کریں

انہی

۳۲۶  
بال جبریل  
۲



اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سخن تازہ کریں  
نفسِ سوختہ شام و سخن تازہ کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری زوئے شوق سے شور و جیم ذات میں !  
منکدر ہے الاماں بستکدر مفاہت میں !  
حور و زشتہ میں اسیر سے تنہدیت میں  
مری نگاہ سے غفل تبری بقیات میں !  
گرچہ ہے میری جستجو دیر و جیم کی نقش بند  
مری فغاں سے سنجیدہ کور و سونات میں !

گماہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل و جود  
گماہ الجھڑے راہ گئی سے تو بہت میں !  
تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محب و بھی شکر کردیا  
میں ہی تو ایک راز حاسیہ مانا میں !

۳۲۸

بال جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- |        |   |  |
|--------|---|--|
| ۳۴۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شور حریمِ دُست میں           |
| ۳۴۶/۲۲ | ۲ | اگر کج رو ہیں انجس، آسماں تیرا ہے یا میرا؟     |
| ۳۴۷/۲۳ | ۳ | کیسے تے تابدار کو اور بھی تابدار کر            |
| ۳۴۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے، سن تو لے مری فریاد             |
| ۳۴۹/۲۵ | ۵ | کیسے عشق ایک زندگی ستار کا                     |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے      |
| ۳۵۱/۲۷ | ۷ | دلہ گزروں سے جہاں تاروں کی کر و شس تیز ہے ساقی |
| ۳۵۲/۲۸ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی!          |

- ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم من تو  
۳۵۲/۲۸
- ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی  
۳۵۲/۲۸
- ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے مجھے دل کا وہ زمانہ  
۳۵۳/۲۹
- ۱۲ خمیہ بر لالہ مجھے محفل سے خواہ لب لب  
۳۵۴/۳۰
- ۱۳ وہی میری کلم نصیبی، وہی تیری بے نیازی  
۳۵۴/۳۰
- ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں  
۳۵۵/۳۱
- ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانشِ بزمانی  
۳۵۶/۳۲
- ۱۶ یارب! یہ جہانِ کزراں خوب ہے لیکن  
۳۵۶/۳۲
- غزلیات (حصہ دوم)

- ۱ سنا سکتا نہیں ہیں تے فطرت میں مرا سودا  
۳۵۹/۳۵
- ۲ یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ انجیز  
۳۶۳/۳۹
- ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھایا ہے جنوں  
۳۶۴/۴۰
- ۴ عالمِ آب و خال و باد، بسترِ عیاں ہے تو کہ نہیں  
۳۶۵/۴۱
- ۵ تو ابھی رہ لزر میں ہے، قیدِ مستام سے لزر  
۳۶۵/۴۱

- ۶ امین راز ہے مردانِ حُر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہِ دامن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لئے میں ہے سیدِ مقلدِ نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے تہِ پاکِ نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرلی، دلِ نطفہ کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روقی، دل بیدار لڑائی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی شہدِ دی میں لبِ ناز نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناسزا، لشکریاں شکستہ تصف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں لہر چہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کدِ ترک نہیں اسبِ جل سے مجھوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ کس پر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے لئی ہے مجھے یاد صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	ترسی نگاہِ سند و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندر ہی کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہم! لامکاں سے دور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	اسلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھ خودِ نسانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرومندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے



۳۸۵/۴۱	۳۴	جب عشق بسکھاتا ہے آداب خود آکاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	نہو آنے زور سے اس کے کوئی کیریاں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ بریادانہ

- ۴۸ نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے ۳۹۵/۷۱
- ۴۹ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالال ۳۹۵/۷۱
- ۵۰ کریں گے اہل نطنہ تازہ بستیاں آباد ۳۹۶/۷۲
- ۵۱ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی تمنازی ۳۹۶/۷۲
- ۵۲ نے فہرہ باقی نے فہرہ بازی ۳۹۷/۷۳
- ۵۳ کرم فہرہاں ہے جبریں، اٹھ کر کیا قافلہ ۳۹۷/۷۳
- ۵۴ ہری نوا سے چوئے زندہ عارف و حامی ۳۹۸/۷۴
- ۵۵ ہر اک معتمد سے آگے گزریا سہ نو ۳۹۹/۷۵
- ۵۶ لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب پیش ۳۹۹/۷۵
- ۵۷ تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی ۴۰۰/۷۶
- ۵۸ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۴۰۱/۷۷
- ۵۹ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۴۰۱/۷۷
- ۶۰ کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف ۴۰۲/۷۸
- ۶۱ شعور و پوشش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۴۰۲/۷۸

قطر (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۴/۷۹

## زبا عیادت

- ۱ ترے شیشے میں بے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رو و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مسکاتی ہوں کہ آزادِ مسکاں ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسدوتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کار و بارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۲۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک ذرے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۷/۸۳

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی اسیری ۲۰۸/۸۴
- ۱۴ خودی کی جستجو توں میں مصطفیٰ آئی ۲۰۸/۸۴
- ۱۵ زندہ ابھی ہوئی ہے رنک و بو میں ۲۰۸/۸۴
- ۱۶ جمالِ عشق و سستی نئے نوازی ۲۰۸/۸۴
- ۱۷ وہی سرا رونقِ محسنِ گل کہاں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۱۸ سوارِ نامتہ و محسن نہیں میں ۲۰۹/۸۵
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۲۰ ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو ۲۰۹/۸۵
- ۲۱ محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ۲۱۰/۸۶
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۵ جوانوں کو مری آہِ حسد سے ۲۱۱/۸۷

۲۶	ترمی دُنیسا جہان مرغ و ماہی	۴۱۱/۸۷
۲۷	کرم سیرالہ بے جوہر سیں میں	۴۱۱/۸۷
۲۸	وہی اسل مسکان و لامسکان ہے	۴۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق	۴۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تکی کوہ و دہن عشق	۴۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبہ دروں فر	۴۱۲/۸۸
۳۲	یہ نیکستہ میں نے سیکھا بواحسن سے	۴۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک بد سے	۴۱۳/۸۹
۳۴	خدا تکی آہستہ نام خشک و تر ہے	۴۱۳/۸۹
۳۵	یہی آدم ہے سلطان بحر و برکات	۴۱۳/۸۹
۳۶	وہم عارف نسیم صبح دم ہے	۴۱۳/۸۹
۳۷	رخوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۴۱۴/۹۰
۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی	۴۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردش باوانہ	۴۱۴/۹۰

۴۰	حکیمی نامہ سلمانی خودی کی	۴۱۴/۹۰
۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے	۴۱۵/۹۱
قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا	۴۱۵/۹۱

## منظومات

۱	دعا	۴۱۷/۹۳
۲	مسجدِ شریطہ	۴۱۹/۹۵
۳	قید خانے میں معتقل کی فریاد	۴۲۸/۱۰۳
۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمین اندلس میں	۴۲۹/۱۰۵
۵	ہسپانیہ	۴۳۰/۱۰۶
۶	طارق کی دعا	۴۳۲/۱۰۸
۷	لینن (خدا کے حضور میں)	۴۳۳/۱۰۹
۸	فرشتوں کا لیت	۴۳۶/۱۱۲

۳۳۸

بالِ جبریل

۱۲



۲۲۸/۱۱۴	۹	ذوق و شوق
۲۲۲/۱۱۸	۱۰	پروانہ اور جنگنو
۲۲۳/۱۱۹	۱۱	جاوید کے نام
۲۲۲/۱۲۰	۱۲	گدائی
۲۲۵/۱۲۱	۱۳	علا اور بہشت
۲۲۵/۱۲۱	۱۴	دین و سیاست
۲۲۶/۱۲۲	۱۵	الارض رضی اللہ
۲۲۶/۱۲۳	۱۶	ایک نوجوان کے نام
۲۲۸/۱۲۴	۱۷	نصیحت
۲۲۸/۱۲۴	۱۸	لالہ صحرا
۲۵۰/۱۲۶	۱۹	ساقی نامہ
۲۵۸/۱۳۴	۲۰	زمانہ
۲۶۰/۱۳۶	۲۱	فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۳۳۹  
بال حبیب  
۱۵

۲۲ رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۰/۱۳۶

۲۳ پیر و مرید

۲۶۲/۱۳۸

۲۴ جبریل و ابلیس

۲۶۳/۱۳۹

۲۵ اذان

۲۶۵/۱۵۱

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۲

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۷/۱۵۳

۲۸ جاوید کے نام

۲۶۷/۱۵۳

۲۹ فلسفہ و مذہب

۲۶۸/۱۵۴

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۶۹/۱۵۵

۳۲ مسولینی

۲۷۰/۱۵۶

۳۳ سوال

۲۸۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دہقان سے

۲۸۲/۱۵۸

۳۵ نادر شاہ افغان

۲۸۳/۱۵۹

۳۴۰  
بالِ حبیب

۳۶ خوشحال خان کی وصیت

۲۸۴/۱۴۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۴/۱۴۰

۳۸ حال و معتم

۲۸۶/۱۴۲

۳۹ ابوالعلا معری

۲۸۶/۱۴۲

۴۰ سنہار

۲۸۸/۱۴۴

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۴۴

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۴۵

۴۳ فمتر

۲۹۰/۱۴۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۴۶

۴۵ جندائی

۲۹۱/۱۴۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۴۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۴۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۴۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۴۹

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتبے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	باغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہر نفسیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور نچتر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُنغاں نے)



# عزلیات

۳۲۳۳  
بالی جبریل  
۱۹

پُھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے پیرے کا جگر  
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

(بھرتی ہری)

۳۴۴  
بالِ جبریل  
۲۰



## حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ فیمات میں      غلغلہ طائرے الاماں بُت کدہ صفات میں  
 خورہ فرشتہ ہیں اسیرِ سریتِ غمخیزات میں      میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں  
 کرچے میری جستجوِ دیرِ حرم کی نقش بند      میری فغان سے رستخیزِ کعبہِ سنات میں  
 گاہ مری نگاہِ یہ زچہ کنتی دل و جود      گاہِ الجھکے رہی میرے توہمات میں  
 تو نے یہ کیا غضب لیا مجھ کو بھی فاش لڑیا  
 میں ہی تو ایک از تھا سینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا  
 مجھے فکر جہان موعج، جہاں تیرا ہے یا میرا؟  
 اگر ہنگامہ ہے شوق سے ہے لامکان خالی  
 خطا بس کی سیکناٹا لامکان تیرا ہے یا میرا؟  
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر  
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟  
 مستند بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا  
 مگر یہ حرفِ شیریں جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی ملک کی تابانی سکے تیرا جہاں روشن  
 زوالِ آدمِ حن کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے  
 بتا، کیا تو مرا ساقی نہیں ہے  
 سمندر سے ملے پیاسے کو شبِ بنم  
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۴۶  
 بالِ جبریل  
 ۲۲



کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر  
ہوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر  
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں  
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر  
تو ہے محیطِ بے لہر ان میں نہوں ذرا سی آنجو  
یا مجھے ہلکنا کر یا مجھے بے کسنا کر  
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو  
میں ہوں خرف تو تو مجھے کو ہر شاہوار کر  
نغمہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو  
اس دہم سیم سوز کو طائر لب بہار کر  
باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں  
کا جہاں دراز ہے اب مرا منت دار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل  
اپ بھی شرِ مسار ہو، مجھ کو بھی شرِ مسار کر



اثرِ کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا  
نہیں ہے وہ اک طالبِ یہ بندِ آرزو  
نیشِ خال یہ صرصرِ یہ سعتِ افلاک  
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا  
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمنِ خمیں یہ گل  
یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے باہِ مرزا  
قصور از غریب الدیارِ نپوں کین  
تراختہ فرشتے نہ کر کے آبا  
مری جفا طبعی کو دعائیں دیتا ہے  
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا  
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں  
وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چوسیا

مقامِ شوق تھے قدیم کے بس کا نہیں  
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۴۸  
بالِ جبریل  
۲۴



کیا عشق ایک زندگی ستارہ  
کیا عشق پتہ دار سے ناپا تدار  
وہ عشق جس کی شمع بجھائے اجل کی چو  
اُس میں مزا نہیں شوقِ منتظر کا  
میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس  
شعلے سے بے محل ہے ابھنا شرار کا  
کرہے مجھ کو زندگی بسا دو اعلیٰ  
پھر ذوق و شوق و یحیٰ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لالہ زوال ہو  
یارب وہ درج جس کی لٹک لالہ زوال ہو



دلوں کو مرکزِ مسنونہ کر  
حریمِ کبریا سے آشنا کر  
جسے نامِ جوین بخشی ہے تُو نے  
اُسے بانٹتے حشر بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خالِ اخروں نہ بن جائے  
جو شکل اب ہے پارِ پھر ہی شکل نہ بن جائے  
نہ لڑیں مجھ کو محبوبِ رنوا فرودس میں خجریں  
مرسو زردوں پھر کر محسن نہ بن جائے  
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی پاؤاتی ہے اسی  
کھٹک سی ہو گئی ہے میں غمِ منزل نہ بن جائے  
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو  
یہ میری خود نگہداری مرا حسن نہ بن جائے  
کہیں اس عالم بے تک و بوم میں بھی طلب میری  
وہی افسانہ ذنبِ کمال نہ بن جائے

عروجِ اہمِ خالی سے انجم سے جاتے ہیں  
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار اسہِ کامل نہ بن جائے



دگرگوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی  
دلِ ہرورہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی  
مستاع وینِ دہش لٹ لٹی لٹاؤں کی  
یہ کس کا فراوا کا سنسزہ خونِ ریز ہے ساقی  
وہی بریں سیاری وہی ناکسلی ل کی  
علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ اندیز ہے ساقی

۳۵۰  
بالِ جبریل  
۲۶



حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا  
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجب کے لالہ ماروں سے  
 نہیں کیا امید قبائل اپنی کشت ویراں سے  
 کہ پیدا کی تری ایتنا حجابِ نیر ہے ساقی  
 وہی ایتنا بل ایران وہی سیر ہے ساقی  
 ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی  
 فقیر راہ کو نہ بخشے اسرارِ سلطانی  
 بہا سیری نوالی دولت چو زیر ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی  
 تین سو سال سے ہیں ہندوئے میخانے بند  
 مری سینے غزل میں تھیں فانی ساقی  
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی  
 عشق کی تیغ جلدوار اڑالی کس نے  
 سینہ روشن ہو تو ہے مژدغن عین حیا  
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رلہ  
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی  
 ایشا سے ترافض ہو عام اے ساقی  
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی  
 رہ لے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی  
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی  
 ہونہ روشن تو سخن مراد ام اے ساقی  
 ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم سن تو  
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و باب  
 کہ اتے مے کہہ لی شان بے نیازی کچھ  
 مرا سب جو غنیمت ہے اس زمانے میں  
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ  
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا  
 جمیل تر ہیں گل و لالہ فضا سے اس کے

پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ ہو  
 سکوت کوہ ولس جگے و لالہ خود روا  
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا  
 کہ خافتا ہیں خالی ہیں صوفیوں کے کہو  
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو  
 صفائے پالی طہنت سے ہے نہ کافر و ضمو  
 نگاہ شاعر نکس نوامیں ہے جادو



متابع بے بہا ہے درو سوز ارزو مند  
 ترے آرزو بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا  
 حجاب کسیر ہے اوار کوئے محبت کو

مقام بندگی کے نہ لوں شاخ خداوندی  
 یہاں منے کی پابندی ہاں جھنکی پابندی  
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے تیرنی یہ پیوندی

گزراوقات کرلیا ہے کیوہو بیابان میں  
 فیض ان نظر تھا یا کہ ملت کی خدمت تھی  
 کہ شاہیں کے لیے وقت ہے کاراشیاں بند  
 رکھتے کس نے سمیٹ لیا وہ ادب فرزندی  
 زیارت کاہل عزم و ہمت ہے لحد مری  
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوہی  
 مری شطال کی لیا ضرورت حسین سنی  
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جانبی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ  
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں نئے میں  
 وہ ادب کہ محبت وہ نیکہ کا تازیانہ  
 نہ ادا تے کا فرمانہ نہ تراشش آزارانہ  
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ اشیانہ  
 کہ عجم کے مے لہو میں رہی مے معنائہ  
 انھیں لیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ  
 جملہ شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ  
 نگہ ہے دستوں کا نہ شکایت زمانہ  
 ترے بند پڑی مے دن گزر رہے ہیں





ضمیرِ لالہ مے لعل سے ہو البسیر  
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بسا لاپنی  
 پُرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ  
 کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشو و نما  
 نہ چھین لذتِ اسحق کہی مجھے  
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل  
 حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا  
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز  
 کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز  
 جہاں وہ چاہے مجھ کو لہو ابھی نوخیز  
 تری نگاہ کی لڑکھائیں ہے میری شاہز  
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفاتِ امیر  
 صدائے مرغِ چین ہے بہت نشاطِ گھمیز  
 زمانہ باتوں باز تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی  
 میں کہاں چوں تو کہاں یہ کہاں لا مکان  
 اسی شمش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں  
 مے کام کچھ نہ آیا کیسا لڑنے نوازی  
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری لڑکھ ساری  
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب بازی

وہ فریب و شاہیں کہ پلاسو لکڑوں میں  
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں  
 نہیں تیرے سلطنت میں کوئی امتیاز آیا  
 یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی  
 کوئی کاہ اس کے ٹوٹا کوئی بدکاس سرم  
 کہ اس کے رواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں کاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں  
 بے حجابی سے تیری ٹوٹا نکا ہوں کاظم  
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و نسیم میں لیا  
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام  
 کہ کہتیں از محبت پڑہ دار پہلے شوق  
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا میں  
 اک جمل کے گھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں  
 اک روائے نیلاوں کو آسمان سمجھا تھا میں  
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا میں  
 اس زمین آسمان کے بے لراں سمجھا تھا میں  
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا میں

تھی کسی دماندہ ہر کی صدائے در و مال  
 جس کو آوازِ حسیل کارواں سمجھا تھا میں

اک زہش نورانی اک زہش برہانی  
 اس کی خالی میں اک شے ہے سو وہی  
 اب کیا جو فغان میری پہنچی ہے ستاروں  
 نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل  
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افروزا نے زندگی  
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں  
 تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے  
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی

یارب ایہ جہان گزراں خوب ہے لیکن  
 گو اس کی خدائی میں مہاجر کا بھی ہے ہاتھ  
 تو برب کیا ہے نہ ہی اہل حسد را  
 کیوں حواریں مڑاں صفائش و نہر مند  
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسد اند  
 او کشت گل و لاله بخشد بہ خرے چند



حاضر ہیں کلیسا میں کیا بے مروتوں  
 احکام تھے حق میں مگر اپنے منہ سے  
 فروس جو تیرے لیے کسی نے نہیں دیکھا  
 مدت سے ہے آواز ہنس لال مرا مگر  
 فطرت نے مجھے بختے ہیں جو ہر ملکوتی  
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی  
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق  
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بگائے بھی ناخوش  
 مشکل ہے کہ ال بندہ حق ہیں حق آندیش  
 ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش  
 پرسوز و نطن رباز و نکو بین و کم ازار  
 ہر حال میں سیر دل بے قید ہے خرم

مسجد میں فخر الیا ہے بجز موعظہ و پند  
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پائند  
 افرنک کا ہر قریہ ہے فروس کی مانند  
 کرے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند  
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند  
 لکھ میرا نہ ولی نہ صفایاں نہ سمرقند  
 نے ابلہ سب مومن نہ تہذیب کا فرزند  
 میں نہ ہر ملاپ کو کبھی کہہ نہ سکا قند  
 خاشاک کے ٹوٹے کو کسے کوہ و ماوند  
 میں بندہ مومن ہوں نہیں اندہ اسپند  
 آزاد و گرفتار تو ہی کیسہ خورسند  
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

چپ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال  
 کرتا کوئی اس بندہ قتلخ کا منہ بند



## حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید المونسین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء  
میں محنت کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ رحمت میں کی زیارت نصیب ہوئی یہ چند افکار پر  
جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اس دوسرے کی یادگار میں  
پیرِ ملت کیے گئے:

ما از پے سنائی عطار ایم

سماکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا  
فلط مھتا لے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا  
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں  
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا  
نیکہ پیدا کر لے غافل تجلی عینِ فطرت سے  
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فن میں غلط بینی ہے جس کی  
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے قیاساً  
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں  
 زبردستی کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا  
 نہ کرتا قید اسے جبریل میرے جذبِ مستی کی  
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طوافِ اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے  
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا  
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی  
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلالِ قیصر کسری  
 یہی شیخِ حرم ہے جو چادرِ زریچ لھاتا ہے  
 گلیمِ بوز و ذوقِ اویسش چادرِ زہرا  
 حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی  
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے بڑا

نہ اکتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے  
 گرفتہ چنیاں احرام و مٹی خفتہ بطن  
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مٹانے  
 گدڑ ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سپانہ الا  
 و بارگشا ہے اس کو زخمہ در کی تیز دستی نے  
 بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واولا  
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج شند جولاں بھی  
 ٹہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوق حسنِ زیبائی سے محرومی  
 جسے زیب الہیں آزاد بندے سے وہی زیبا  
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر  
 کہ دنیا میں فقط مروانِ خسرو کی آنکھ ہے بینا

\* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے  
 زلمے کے سمندر سے نکالا لوہرِ سرور  
 فرنگی شیشہ لڑکے فن سے پتھر ہو گئے پانی  
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حصار  
 رہے ہیں اور ہیں عزمِ میری لکھات میں اب تک  
 مگر کیا نسیم لڑ میری استیں میں ہے یہ بیضا  
 وہ چنگارِ خمی و خاشاک کے کس طرح دے جاتے  
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا  
 محبتِ خوشتنِ مہنی، محبتِ خوشتنِ داری  
 محبتِ استانِ قصیدہ لکھری سے بے پروا  
 عجب کیا لڑ مہ و پروں کے پنجہ پھر جائیں  
 کہ فرستہ الِ صاحبِ دولتِ بستمِ سرِ خود را

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظ تغیر کیا گیا



وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے  
 غبارِ راہ کو بخشایا و غوغا وادیِ سیت  
 نگاہِ عشق دوستی میں وہی اول وہی آخر  
 وہی شران وہی شرفان وہی سین وہی طہ  
 سنانی کے ادب سے میں نے غوغا صحن کی ورنہ  
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولتے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ نگہیز  
 گرفتار بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ  
 اب حجبِ قہر صوفی میں وہ فقر نہیں ہتی  
 اچھے سلفہ درویشانِ مہرِ خدا کیسا  
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن  
 کرتی ہے ملکیت آثارِ حسن و بیدار  
 اندیشہ و انا کو کرتا ہے حسن و آمیز  
 ناچختہ ہے پر یزی بے سلطنت پر یز  
 خون دل شیرانِ حق جس فقر کی دستاویز  
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز  
 جو فکر کی نیریت میں بجلی سے یاد تیرا  
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں اقل و پائیں  
یہ کافر مندی ہے لیکن تنہا و سناں



وہ حرفِ ازل مجھ کو سکھایا ہے جنوں  
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا  
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی  
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر  
ضمیر مال و نگاہ بند دوستی شوق  
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے  
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید  
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا  
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں  
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے غوارِ رُبوبوں  
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے لونا لوں  
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں  
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون  
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے مڑوں  
کہ ارسپی ہے مادمِ صدائے کن فیکون  
تری غروپے عالمِ سرخسوں کا فصول

اُسی کے فیض سے یہی نگاہ ہے روشن  
اُسی کے فیض سے یہی سب بوسے جیوں

۳۶۴  
بالِ جبریل  
۲۰



عالم آب و خاک و باد استرعیان ہے تو کہ نہیں  
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ نہیں  
 وہ شب و روز و عیش و عشرت کہتے ہیں زندگی ہے  
 اُس کی نعم ہے تو کہ نہیں اُس کی آواں ہے تو کہ نہیں  
 کس کی نود کے لیے شام و سحر ہیں کریم  
 شانہ روزگار پر بارگراں سے تو کہ نہیں  
 تو کفِ ناک و بے بصر، نہیں کفِ ناک و خود فکر  
 کشت و جو کے لیے آب و آں ہے تو کہ نہیں



(لندن میں کہتے گئے)

تو ابھی رہ کُڑ میں ہے قیدِ محنتِ ام سے کُڑ  
 مہر و حجاز سے کُڑ، پارس و شام سے کُڑ

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے  
 حورِ خیام سے لوز، بادہ و جام سے لوز  
 کرچہ ہے دلکش بہت حسنِ فرناک کی ہر  
 طائرِ بلبلِ دباں دانہ و دام سے لوز  
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے نشا و شرق و غرب  
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز  
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور  
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امینِ ازل ہے مژانِ سر کی روشنی  
 کہ جبریل کے ہے اس کو نسبتِ عیشی  
 کئے خبر کہ سفینے ڈبو چلی کتنے  
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی  
 نگاہِ کرم کہ شیریں جسے چوٹ اڑ جائیں  
 نہ اہِ سکر کہ ہے کو سفندی و میشی  
 طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا  
 ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے میشی

۳۶۶

بالِ جبریل

۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ مالِ جسے  
یہ نیک و نیک یہ لہو آبِ ناس کی ہے بیشی



پھر چراغِ لال سے روشن ہوتے کوہِ دامن  
پھول ہیں صحرا میں یا پر پانِ قطار اندِ قطار  
بر بلِ بل پر رکھ لکشی شبِ بنم کا موتی با صبح  
حُسن بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے  
اپنے من میں ٹوب لہر پا جا سراغِ زندگی  
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق  
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو بھر جاتی نہیں  
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افروشی کا راج

مجھ کو پھر غمِ یوں یہ اکسا نے لگا مرغِ حمن  
اُورے اُورے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ حمن  
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی لہرِ حمن  
ہولِ الر شہرِ حمن کے سارے شہر اچھے لہرِ حمن  
تو الر میرا نہیں غنا نہ بن اپنا تو بن  
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو امل و فن  
تن کی دولت چھاؤں کے آتائے دھن جاتا دھن  
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی لہر لکشی مجھ کو قلندر کی یہ بات  
تو جھکا جب غم کے آگے نہ تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لئے عیسٰی سلیقہ دل نوازی کا  
مروتِ حسنِ عالم لیر ہے مروانِ غازی کا  
شکایت ہے مجھے یاربِ خداوندِ بخت سے  
سبقِ شاہینِ بچوں کو ہے یہیں خالِ باری کا  
بہت تکتے گئے پنچھروں کا اندازِ نگہ بدلا  
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریشِ بہاری کا  
قلندرِ جزو و حرفِ لا الہ لکھ بھی نہیں لھتا  
فقیہِ شہرِ قاروں ہے لغتِ بے حجازی کا  
حدیثِ بادہ و سناو جامِ اتنی نہیں محلو  
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضِ شیشہ سازی کا

کھان کے ٹوٹنے کے اقبالِ سیکھی سے دیروشی  
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بنیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں بُرم  
عشق سے مٹی کی تصویر میں مزمزم  
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق  
شبنمِ گل میں طبعِ سحرِ باوجودِ کفرِ کفرِ نام  
اپنے رازِ کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک  
اور پہچانے تو ہیں تیرے لہو دارا و جسم

۳۶۸  
بالِ جبریل  
۲۲



دل کی آواز می شناسا ہنی شکم سامان ہو  
فصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم  
اے سلمان اپنے دل سے پوچھ لے نہ پوچھ  
ہو لیا اللہ کے بندوں سے غی خالی حرم



دل سوئے خالی ہے بکریاں نہیں ہے  
پھر اس میں عجب کیا کرتے ہیں  
بے وقاحتی بھی اسی حال میں نہیں ہے  
غافل! تو زرا صاحب اور ال نہیں ہے  
وہ انگلہ کہ ہے سرِ افراتک روشن  
نیرکار و سخن ساز ہے نہ مال نہیں ہے  
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی  
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے  
کب تک رہے محکومی اسبم میں غی خالی  
یائیں نہیں، یا گردشِ افلاک نہیں ہے  
بجلی ہوں نطن فرہ بیاباں ہے میری  
میسے لے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے  
عالم ہے فقط مومن جان باز کی سیرا  
مومن نہیں جو صاحبِ لال نہیں ہے



ہزار خوف جو کہیں زبان ہو دل کی رسیق  
یہی ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شربِ خا میں  
 علاجِ ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا  
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ٹٹے و قیق  
 خدا کرے کہ یہ شیخ کو بھی تو مسیق  
 نعل میں اس کی ہیں بات بتا ج عتیق  
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ بدیق  
 نہ ہو تو مردِ سماں بھی کاف و زندیق  
 اگر ہر عشق تو ہے کف نہ بھی سلمانی



نو چھپا سکے کہ مقبول ہے فطرت کی کو بھی  
 کاف ہے مسلمان تو نہ شاپی فقیری  
 کاف ہے ہر توش شیر پتہ پہ بھرو  
 کاف ہے تو ہے تابعِ تہمتِ مسلمان  
 تو صاحبِ نزل ہے کہ بھٹکا ہوا رہی  
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیر میں شہاسی  
 مومن ہے تو تیرے یس بھی لڑتا ہے سپا  
 مومن ہے تو وہ اپنے تفتِ بری الہی  
 نہیں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چا  
 دیرینہ ہے تیرا مرضِ لوزنگاہی

۳۷۰  
 بالِ جبریل  
 ۲۶



(مغرب میں لکھے گئے)

یہ خوریاں سنسنی دل و نظر کا حجاب  
 دل و دھڑکن کا سفینہ سنبھال کر لے جا  
 جہاں صوت و صدا میں سانس نہیں سکتی  
 سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خالق  
 وہ سجدہ روح زمیں جس کے کانپ جاتی تھی  
 سنی نہ مصر و فلسطین میں اذان میں نے  
 ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر سیرا  
 بہشت مغربیاں جلوہ ہا پاکہ کاب  
 رستارہ میں جس کے چہرہ میں خواب  
 لطیفہ ازلی ہے فغان چنک و رباب  
 فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے غراب  
 اسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسرا  
 دیا تھا جس نے پہاڑوں کو حشر سیاہ  
 مری نوامیس کے سوز و سرور عہد شباب



دل بیدار فاروقی، دل بیدار لڑائی  
 دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک  
 بس آدم کے حق میں کیسی ہے دل کی بیداری  
 نہ تیری بے کاری نہ میری بے کاری

۳۷۱  
 بالی جہیل  
 ۲۷

مشام سیر سے ملتے ہے صحرانِ نشانِ اس کا  
 اس اندیشے سے خستہ ہے کہیں کہیں تاروں کی تکیا  
 خداوند تیرے سا وہ دل بس کہ صحرانِ جان  
 مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی  
 نطنج نہیں سے ہاتھ آتا نہیں آتے تار می  
 کہ منغزاو نہ لے جاتیں ترمی قسمت کی چکاری  
 کہ درویشی بھی عساری ہے سلطانِ بھی عیاری  
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

توالے مولائے شربتِ آبِ پیری چارو سائی  
 بری اسی کے افرنی میرا ایک سے زنجاری



خودی کی شوخی فتنہ می میں کہ راز نہیں  
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے  
 بری نوا میں نہیں ہے اواسے محبوبی  
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے میں  
 جوئی نہ عام جہاں میں کچھ حکومتِ عشق  
 اک اضطرابِ سلسلِ عیاب ہو کہ حضور  
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں  
 شکارِ مردہ سے زوارِ شاہِ باز نہیں  
 کہ بانگِ صورتِ افسانِ دل نواز نہیں  
 کہ طبعِ رقیقہ زندانِ پال باز نہیں  
 سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں  
 میں خود کو تو مری استانِ راز نہیں

۳۷۲

بالِ حبیب

۴۸

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور محمد  
فغان نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف  
تیرے محسوس میں کہیں ہر زندگی نہیں  
عشق بتا کہ ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا  
کھول کے لیا بیاں لرون ستر تمام مرل عشق  
صحبت پیروم سے مجھ پہ پوچھو یہ از فاش  
مثل کلیم ہو اگر سے کہ از مالوئی  
خیر نہ کر سکا مجھ جلوہ دہش فرزند  
آواہ تیریم شمس کل نہ ہو کوئی ہدف  
نہ تو چکا میں موج و تھکا چکا صدف  
نقش و نگار ویر میں مخمور جسک نہ لرزت  
عشق کے مرل با شرف مرل حیات شرف  
لاکھ حکیم نہ بھیت ایک کلیم سب جہ  
اب بھی دخت طوس سے اتنی ہے بانہ لا  
دست ہے میری آنکھ کا حال بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

مستان ہوا میں کرچہ تھی شمشیر کی تیری  
نیچھوئے مجھ سے لندن میں بھی آج سحر خیزی

کہیں سب پریشان فرمیں میری کم سبزی  
 کہیں سب پریشان فرمیں میری کم سبزی  
 طریق کو کھن میں بھی جیسی جیلے ہیں پروری  
 طریق کو کھن میں بھی جیسی جیلے ہیں پروری  
 جہاں ہوں سیاست تو رہ جاتی ہے چند سبزی  
 جہاں ہوں سیاست تو رہ جاتی ہے چند سبزی  
 وہی عبرت ہی عطلت پریشان لکھنوی  
 وہی عبرت ہی عطلت پریشان لکھنوی



یہ دیر کس کیا ہے انبار خس و خاشاک  
 یہ دیر کس کیا ہے انبار خس و خاشاک  
 پنجہ میریت کا قند نہ سیر طعنی  
 پنجہ میریت کا قند نہ سیر طعنی  
 کھویا کیا جو ملت ہو دولت میں  
 کھویا کیا جو ملت ہو دولت میں  
 اک شریعہ سلماں اک جذب سلماں  
 اک شریعہ سلماں اک جذب سلماں  
 اے ہر و منہ نہ اے جذب سلماں  
 اے ہر و منہ نہ اے جذب سلماں  
 رمزیں ہیں محبت کی ستاخی بے باکی  
 رمزیں ہیں محبت کی ستاخی بے باکی

فارغ تونہ بیٹھے کا محشر ہیں بنوں میرا  
 فارغ تونہ بیٹھے کا محشر ہیں بنوں میرا  
 یا اپنا لرباں حال یاد دہن نیرواں حال  
 یا اپنا لرباں حال یاد دہن نیرواں حال

۳۷۲  
 بال جہیل  
 ۵۰





کمال تک نہیں آسب کل مجبوری  
 نہیں ایسے فقے سے اے اہل حلقہ باز آیا  
 نہ فقے کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے  
 سُننے نہ ساقی نہ دشمن تو اور بھی تھا  
 حکیم عارف و صوفی تمام سب ظہور  
 وہ ملتفت ہیں تو کُنجِ قفس بھی ازادی  
 بُرانہ مان ذرا آزما کے دیکھ اے  
 کمال تک ہے تسخیر کی ونوری  
 تمہارا فقے ہے بڑا ہوتی ورنجوری  
 وہ قوم جس نے لٹوایا ہستیاں سموری  
 عیارِ کریمِ حبیبی ہے حریفِ ندوری  
 کسے خبر کہ تجلی ہے عینِ ستوری  
 نہ ہوں تو صحنِ سپین بھی مقامِ مجبوری  
 فرنگِ دل کی خرابی خرد کی سموری



عقل کو آستان سے دُور نہیں  
 دل بیٹنا بھی کہ خدا سے طلب  
 علم میں بھی سُرور ہے لیکن  
 اس کی نعمتِ دیر میں حضور نہیں  
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں  
 یہ وہ جنت ہے جس میں عور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں  
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے  
 ہاں سبوری ہے زندگی دل کی  
 بے حضور ہے تیری موت کا راز  
 ہر گھر نے صدف کو توڑ دیا  
 'آرئی' میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحبِ سہو نہیں  
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں  
 آہ وہ دل کہ ہاں سبوری نہیں  
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں  
 تو ہی آمادۂ ظہور نہیں  
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں  
 طلسمِ سب کے لہروں کو توڑ سکتے ہیں  
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں  
 تری معیت نام کو انجمنِ شناس کیا جانے  
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے  
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چپا

تو اب جو اسے سمجھ کر تو چارہ نہیں  
 زجاج کی یہ عمارت کنگارہ نہیں  
 مگر یہ چھوڑ دے مرد و بیچ کا رہ نہیں  
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں  
 تری نگاہ میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں  
 وہ سپہنِ مجھ بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضب عین کرم نہیں ہے فطرت  
کہ عمل ناب ہیں شش تو ہے شر نہ ہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجود گناہی  
ترمی ندلی اسی سے تری ابرو اسی سے  
نہ ویا نشان سنزل مجھے اے حکیم تو نے  
مرے صلت سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں  
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو  
تو ہما کہ ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری  
تو عرب یا عجم ہو ترا لا الہ الا  
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مہتمم پادشاہی  
جو رہی ہو تو شاہی نہ رہی تو رویہ ہی  
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تو نہ رہشیں راہی  
وہ کلام کہ جانتے ہیں وہ رسم کج گلاہی  
کہ مجھے تو خوش نش آیا یہ طریق خانقاہی  
نہیں صحت کے خالی یہ جہان مرغ واپہی  
نفت غریب جیت کتا دل نہ دے غمہی



ترمی نگاہ نہ مائیہ ہاتھ ہے کوتاہ  
گلا تو کھنٹ دیا اہل دین نے ترا  
ترا کنت کہ نخیل بلند کا ہے گناہ  
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کلم خجے آئی تلاش لر غافل !  
 حدیث دل لسی روشنی کے چوچھ  
 برہنہ سے تو غم مند پیر دل  
 نہ پستلے کی گردش بازی افلاک  
 اٹھا میں رس خانقاہ عیسیٰ نام

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ  
 خدا کرے تجھے تیرے مقام کے گاہ  
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ  
 خودی کی ہوتے تیرے ازل نعمت جاہ  
 نہ زندگی نہ محبت نہ موفت نہ نکاہ



خون کے پسر کے سو اچھ اور نہیں  
 پر اک مقام کے مقام ہے تیرا  
 لراں پہا ہے تو جھنڈ خودی کے مئے نہ  
 رگوں میں گردش خون کے اتر تو کیا حاصل  
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب  
 جسے کہتے تھے ہیں بے ارنہک  
 بڑا ریم ہے قہر ال بے رنو الین

ترا علاح نط کے سو اچھ اور نہیں  
 حیات فوق مفس کے سو اچھ اور نہیں  
 گھر میں اب کے سو اچھ اور نہیں  
 حیات سے بڑھ کر کے سو اچھ اور نہیں  
 کہ میں سیم کے سو اچھ اور نہیں  
 وہ سے متاع ہنس کے سو اچھ اور نہیں  
 عطا شعلہ شکر کے سو اچھ اور نہیں

۳۷۸  
 بال جہیل  
 ۵۲



نگاہِ مست میں شاہِ سکنہ می کیا ہے  
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیری  
 فلک کے اُن کو عطا کی ہے جہاں کہ جنہیں  
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا  
 اسی خط سے عتابِ ملک سے مجھ پر  
 کہے نہیں تیرے لئے سرورِ ملیں  
 خوش آلتی ہے جہاں کو قلندری میری  
 خراج کی جو کدا ہو وہ قصیری کیا ہے  
 مجھے بت تو ہی اور کان سری کیا ہے  
 خنہ سریں ریش بند پوری کیا ہے  
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لب سری کیا ہے  
 کہ جانتا ہوں مالِ سکنہ می کیا ہے  
 خودی کی موت ہو جس میں سروری کیا ہے  
 دگر نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے  
 عیقل و دل میں شہِ شعاعِ محبت کے  
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ سپن  
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے  
 جہاں سے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لیے  
 وہ خار و جس کے لیے ہے یہ ریتاں کے لیے  
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک  
 ترا سفینہ نہ کہ ہے بھر بے لہر اس کے لیے  
 نشان راہ دکھاتے تھے جوستاروں کو  
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے  
 نیکو ملت سخیں دل نواز جاں پر سوز  
 یہی ہے رختِ سفر میر کا و اس کے لیے  
 وراسی بات تھی اندیشہ عجم کے لیے  
 بڑھایا ہے فقط زریں و استار کے لیے

ہرے گل میں کے ال نغمہ جبریل آشوب  
 سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکاں کے لیے



تو اے اسے میر کاں! لامکاں کے دور نہیں  
 وہ جلوہ گاہ ترے خال داں کے دور نہیں  
 وہ مرغزار کہ نیم سزاں نہیں جس میں  
 غمیں نہ ہو کہ ترے اشیاں کے دور نہیں  
 یہ ہے حلاوتِ علم و قلم کی حیات  
 خدائے مست ہے بسین لیاں کے دور نہیں  
 فضا تری مہ پر ویں کے ہے ذرا اس کے  
 قدم اٹھائے امتِ اسم آسمان کے دور نہیں  
 کہے نہ آہ نسل سے کہ چھوٹے مجھ کو  
 یہ بات اہر و نکتہ داں سے دور نہیں





(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظرِ حلیانہ  
 جس نے مجھ کو حدیثِ رندانہ  
 نہ باد ہے نہ صراحتی نہ دورِ پیش  
 فقط نکات سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ  
 مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ  
 کہ میں چوں محرم از دوزنِ محبت  
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہِ نسیمِ سر  
 اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ  
 کوئی بتائے مجھے یہ عیاں ہے کہ حضور  
 سب شتا ہیں یہاں ایک میں چوں بیگانہ  
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں  
 مے جُسنوں کو سنبھالے الہیہِ برانہ  
 مقامِ عقل سے اسان لڑیا آبال  
 مقامِ شوق میں لھو یا لیا وہ فرزانہ



افداک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر  
 کرتے ہیں خطابِ آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا  
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے  
 سینا نہ یورپ کے دستور نرا ہے  
 کیا وہ نہ نادر کیا شوکت سموری  
 خلوت لی لٹری کزری خلوت لی لٹری آتی  
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر  
 شمشیر و سناں اول طاعون و رباب آخر  
 لاتے ہیں سحر اول دیتے ہیں شراب آخر  
 چو جاتے ہیں سب فتر غرق مے کتاب آخر  
 چھٹنے کو ہے حبس سے اغوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس میل معانی کا  
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چیز راہی  
 تو مرد میدان تو ملیش شیر  
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی  
 نوری حضور تی سکر سپاہی  
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی  
 دنیائے دُوں کی کب تک عنادی  
 یہ بے سواوئی یہ کلم نکاہی  
 یار اہر سب کر یا پاؤش ہا  
 چیرہ م کو دیکھا ہے میں نے  
 لڑا رہے سوز، گفتار واپی



ہر چیز ہے مچھوئی سائی  
 بے ذوق نمود زندگی، موت  
 راتی زورِ خودی سے پرست  
 تارے آوارہ و کلم ایسے  
 یہ پیلے پہر کا زور و چپا  
 تیری قندیل ہے ترا دل  
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں  
 ہیں عقد کشت چننا صحرا  
 ہر ذرہ شہید کبریائی  
 تعمیرِ خودی میں ہے حسدائی  
 پرست ضعیفِ خودی سے اتنی  
 تختِ دیر وجود ہے حسدائی  
 بے راز و نیازِ آشنائی  
 تو اس کے اپنی روشنائی  
 باقی ہے نمودِ سیمائی  
 کلم کر کلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر و شہر زما  
 تعمیریاں سے نہیں نے یہ از پائیا  
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرمایا نہ  
 اہل نوا کے حق میں بجلی ہے ایشیا نہ

یہ بندگی خدا کی وہ بندگی کہ الٰہی  
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ  
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی  
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے اسٹانہ  
 اے لا الہ کے وارث باقی نہیں تھے  
 کفایت لہو برانہ، لہو وارفتا ہرانہ  
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے  
 لہو یا لیا ہے یہ جذب قلندرانہ

راز حرم سے شاید قہرِ سالِ باخبر ہے  
 ہیں اس کی نفست کو لے اندازِ محرانہ



خرد مندوں سے کیا نوچوں کہ میری ابتدا کیا ہے  
 کہ میں اس فکر میں ہوتا ہوں میری ابتدا کیا ہے  
 خودی کو کہ طلبِ انا کہ ہر تہذیب سے پہلے  
 خدا بندے سے خود نوچے بتا تیری صفا کیا ہے  
 مقامِ نفست کو کیا ہے کہ میں لمبی کر ہوں  
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری لمبی کیا ہے

نظر آئیں مجھے تفتدیر کی لہریاں اُس میں  
 نہ پوچھ لے ہم شیں مجھ سے و چشم مرسل کیا ہے  
 اگر ہوتا وہ مجذوب و مغربی اس زمانے میں  
 تو قہ سال اس کو سمجھتا مقام کیم بر کیا ہے  
 نوائے صبح کا ہی نے جسکے خوں کو دیا میرا  
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سکھاتا ہے ادائے کا ہی  
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو عزالی ہو  
 نو میدان نہ ہو ان سے لے رہبر فرزانہ!  
 اے طائر لاہوتی! اُس رُتق سے ت اچھی  
 کھلتے ہیں سلام و سحر و شہنشاہی  
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحر کا ہی  
 کم کوشش تو ہیں کین بے وقوف نہیں ہی  
 جس رُتق سے آتی ہو پر از میں عا ہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوب فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور  
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

واراؤ سکندر سے وہ مروتیہ اولیٰ  
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اندھلی  
آمین جو انراں حق کوئی بے باکی  
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں باہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا  
تھمے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا  
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جاتا بھی  
کہ اس جنگا سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا  
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد  
یہاں گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا  
چلے میری غریبی کا تاشا دینے والے  
وہ محفل اٹھ لے جس دم تو مجھ تک ورجام آیا  
دیا اقبال نے ہندی سلمانوں کو سو اپنا  
یہاں مڑتے اسان تھا ہن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں  
بڑی محنت کے بعد اخروہ شاہیں پر کام آیا



نہ ہر طغیان شتاقی تو میں رہتا نہیں تھی  
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیان شتاقی



منجھے فطرت نہ پیرے پیرے محبوب کرتی ہے  
 وہ آتش آج بھی شیشین بھونک رہی ہے  
 نہ لڑا فرما کا اندازہ اس کی تابانی سے  
 دلوں میں لڑنے لڑنے کی لیری کے نہیں اٹھتے  
 خزاں میں بھی لڑے لڑے تھیں صبا کی زوہیں  
 ابھی محض ہیں شاید کوئی درویش نایابی  
 طلب صبا تو نہ تیرے ہی تو پھر کیا شکوہ ساقی  
 کہ بجلی کے چراغوں کے ہے اس جہر کی براقی  
 نگاہوں میں الپیدانہ ہوا اندازِ آفاق  
 مری غماز تھی شاخ شیشین کی الم اور اقی

الٹ جائیں گی تیریں لہجائیں کی تقدیر  
 حقیقت ہے نہیں تیرے تخت کی یہ خلاقی



فطرت کو خود کے زور پر کر  
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے  
 تاروں کی فضا ہے بیکراں  
 غریباں ہیں ترے چمن کی حوریں  
 بے ذوق نہیں الپیدانہ  
 تسخیرِ مستام زباں و بوکر  
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر  
 تو بھی یہ مستام ارزو کر  
 چالبغل و لالہ کو رفو کر  
 جو اس کے نہ ہو سکا وہ ٹولہ!



یہ سپرین کلیسا و صرم اے وائے مجبومی  
صلہ ان کی لہو کاوشش کا ہے سینوں کی بے زوی  
یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ناتھ آتی ہے  
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری  
کبھی حیرت کبھی سستی کبھی آویختگی  
بدلتے ہے ہزاروں رنگ میرا اور مجھوی  
حد اور اس کے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی  
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری  
وہ اپنے حسن کی سستی سے ہیں مجبور پیدائی  
مری آنکھوں کی بیسماقی میں ہیں ایسا بستہ نوی  
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں  
نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکان سیوسی

فقیرانِ رسم کے ہاتھ آفتاب الٰہ کی لکڑی  
میسٹر مسٹر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر دانش حاضر نے کیا بحرِ قیم  
کڑا عس میں ممکن نہیں بچو کسیم  
عقل عیت رہے سو بھیس بنالیتی  
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم  
عیشِ سنزل ہے غریبانِ محبت چرام  
سبافرہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم  
ہے لراں سیرِ عہدِ راحلہ و زاوے تو  
کوہ و دریا سے کڑا سکتے ہیں مانند نسیم  
مرد و رویش کا سر یہ ہے ازاد می مرل  
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں  
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں  
تہی زندگی سے نہیں فیضِ سائیں  
یہاں سیلڑوں کا رواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر  
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں  
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم  
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں  
 تو شاہیں بنے پرواز سے کام میرا  
 ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں  
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا  
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں  
 کہتے دن کہ نہ تھا میں تجسمن میں  
 یہاں اب کے راز داں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

دھونڈ رہا ہے فزنگ عیش جہاں کا دوام  
 وائے مستانے خام وائے مستانے خام  
 چیرم نے لہا لہا سن مری کوتاہ  
 پختہ ہے سیرِ فغان اپنے اُسے ل میں تھام  
 تھا ارنی کو طیس تم میں ارنی کو نہیں  
 اُس وقت اُٹھا و امجدت اُٹھا  
 کرچہ افشائے ساز اہل نظر کی فتن  
 چھوٹی میں لڑے نم و بے سوز و سنا  
 نہیں بھی ہاتھ نہ کام تو بھی ہاتھ نہ کام

عشق تری آہ، عشق تری آہ  
 تو بھی انجی نام میں بھی انجی نام  
 آہ کہ لکھو یا لکھو تجھے فقیر کی راز  
 ورنہ مال فقیر لطفست بوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل  
 اگر عشق محکم تو صوبہ افسر  
 عذاب و آتش حاضر ہے باخبر ہوں میں  
 کہ میں اس آل میں الایا ہوں مثل نسلیں  
 فریب خورہ منزل ہے کاروان ورنہ  
 زیادہ احسن منزل کے نشا وجریل  
 نظر نہیں تو مجھے سلفہ سخن میں بیٹھ  
 کہ گتہ ہائے خودی میں شال تیغ ایل  
 مجھے دوسرے فرنگ آج یاد آتے ہیں  
 کہاں حضو کی لذت کہاں حجاب لیل  
 اندھیری شب ہے جا اپنے قافلے سے ہار تو  
 ترے لیے مرا شعلہ نواں ریل

غریب سادہ زنجیریں ہرستانِ محرم  
 نہایت اس ان حسین ابتدا ہے ارجیل





مکتبوں میں کہیں عین آئی افکار بھی ہے  
خانقاہوں میں کہیں لذتِ سر بھی ہے  
منزلِ اہلِ ہواں اور بھی ہوشِ وار بھی ہے  
کوئی اس قافلے میں تافلہ سارا بھی ہے  
بڑھ کے خیر سے خیر ہے خیرِ دینِ وطن  
اس زمانے میں فانی حیدر سارا بھی ہے  
علم کی حکایت بن قدموں کے لیے  
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

پیرِ حیاتِ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ  
نست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے



حادثہ جو بھی پڑے اس لال میں ہے  
حکسِ کس کا مرے آئینہ اور ال میں ہے  
زیتارے میں گئے کروٹیں افلاک میں ہے  
تیر تھی تیر کے نالے بے بال میں ہے  
یا مری آہ میں فانی شہرِ زندہ نہیں  
یا دامنِ ابھی خیرے خسِ خاشاک میں ہے  
کیا عجیب یہی نوا ہے کس طرح سے  
زندہ ہو جائے وہ شش ترخی خال میں ہے

۳۹۲

بالِ جبریل

۶۸



توڑ ڈالے کی یہی خال طلسم شب روز  
گرچہ ابھی ہوئی تقدیر کے پیکار میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں زشتاقتی	فسانہ ہاتے کرامت روکتے باقی
خراب گوشائے سلطان خانقاہ فقیر	فغاں کہ تختِ بیکار ال زرقا
مرے کی اور محشر کو شہسار اک روز	کتاب صوفی و ملائی سادہ و راقی
نہ چینی و سربلی و ذرہ رومی شامی	سما سکانہ عالم میں مردِ آفاقی
مے شہانہ کی مستی تو ہو چلی لکین	کھٹکے ٹاپے لوں میں چشمہ ساقی
چسمن میں تلخ نوائی مری لوارا	کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ بریاقی
عزیز تر ہے متاع امیر سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو جلی کا سو بڑا



ہوانہ زور سے اس کے کوئی لریباں چاک  
گرچہ مغربوں کا خون بھی تھا چالاک

مے یقین سے ضمیر حیات کے پر نور  
عروج اور حسمانی کے منتظر ہیں تمام  
یہی مانہ جانسری کا ناسخ کیا  
تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے  
زمانہ متسل کو سمجھا ہے شعلہ راہ  
جہاں کام میراث مر مومن لی

نصیب سید برب ایک آتش نال  
یہ لہستان یہ ستارے یہ سیلکوں افلاک  
مانع روشن دل تیر و نہ بے بال  
ولہذا الہی ہے مومن جہاں خوش خاشاک  
کے خیر کے خبر بنوں بھی صابہ اور ال  
مے غلام چختے تکتے لولال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر ایک دن  
یا سنج و طعنہ دل کا امن جہاں لیری  
یا حیات فارابی یا تاب تب رومی  
یا عتسلی کی روباہی یا عشق بد لہی  
یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی  
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں

یا زکی و ازادی الے سمت مروانہ  
یا مروست لندر کے انداز ملوکانہ  
یا منکر علیمانہ یا جذب علیمانہ  
یا حیلہ اسرہلی یا حملہ ترکانہ  
یا نعرہ مستانہ یا جبرہ سولہ بت خانہ  
کچھ کام نہیں غلبے جرات زندہ



نہ تخت تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے  
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے  
 صنم کہ ہے جہاں اور مروتی ہے خلیل  
 نیکت وہ ہے پوشیدہ لا الہ میں ہے  
 وہی جہاں ہے ترا جس کو کرے پیدا  
 یہ نیک و نشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے  
 رہ و ستارے کے مقام ہے جس کا  
 وہ نشت خاک ابھی اور کان اہ میں ہے  
 خبر ملی ہے حن دیاں بھروسے مجھے  
 فرنگ کہ لڑیل بے پناہ میں ہے  
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا  
 جہاں تازہ مری اور صوبہ کاہ میں ہے  
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب  
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بختاب مجھے اندیشہ چالا  
 رکھتی ہے طرقات پر از مری خال  
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفتیل اور اک  
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کے قبا چال

وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی  
چنتی نہیں پہنائے چمن خستہ خاشاک  
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو  
کرتی ہے چمک جن کی ساروں کو عرق



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد  
مری نگاہ نہیں سوتے کو فہ و بند  
یہ مدرسہ جو اس سے دور و عنایتی  
انھی کے دم ہے بچینا نہ فرماں آباد  
یہ فلسفی سے نہ ملا ہے غرض مجھ کو  
یہ دل کی موت وہ ابدیت و طوفان کاف  
فقیہ شہر کی تحقیق کیا مجال ہی  
مگر یہ بات کہ میں فحشا ہوں دل کی نشا  
غریب کتے ہیں دنیا میں عشرت پرور  
خدا کی دین ہے ساری عین فرما  
کیے ہیں فاش رموز تندرستی میں  
کہ فکیر و خافتا ہوا ہوا  
رشی کے فاقوں کو نمانہ برہمن کا طلسم  
عصیانہ ہو تو ظہمی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی  
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی  
اوم کو سلطنت ہے واجبند و باری

خالی ہے ملک اس کے انداز ہیں ہمالی  
سکھدا کی فرشتوں اوم کی تڑپ اس نے



جیتا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق  
شاہی نہیں ہے بے شیشہ باری  
تو بھی نہ سازئی میں بھی نہ سازئی  
جس سر کے میں ملا ہوں غازی  
صرف محبت ترک کی نہ تازی  
کا غلبہ لاں حسن را لہ از می  
باقی ہے جو کچھ سب خال بازی

نئے سرہ باقی، نئے سرہ بازی  
روشن ہے جام شیداب تک  
دل ہے سماں میں سرانہ تیرا  
میں جانتا ہوں انجام اس کا  
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں  
آؤر کا پیشہ حسن را تراشی  
تو زندگی ہے پائندگی ہے



وائے وہ رہرو کہ ہے منتظر را حلا

گرم فغاں ہے جبریں اٹھ کہ لیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور  
 تیرے موافق نہیں خانقہ سلسلہ  
 دل ہو علام حسد و کالہ امام حسد  
 سالک ہوا شیار بخت ہے یہ حیلہ  
 اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں ایک  
 کہوشش اس کا ہے جس کی باں پر کلہ  
 تیرے نفس کی ہوتی آتش گل تیر  
 مرغ چمن ہے یہی تیری نو اکاہلہ



مری نوا سے نجات زندہ عارف عامی  
 دیا ہے میں نے انھیں فوق آتش آسمانی  
 حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مریخ  
 کہ تار تار ہے جسم مائے احرامی  
 حقیقت ابدی ہے مقام شبیری  
 بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی  
 مجھے دیکھئے مقام میں پختہ کار بہت  
 نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی  
 عجیب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں  
 شکوہ سحر موت حریف و بطلامی

قبائے علم و ہمت لطف خاص ہے نہ  
 تری نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸  
 بال جبریل  
 ۷۲





چراغِ محبت سے آگے لڑ لیا میرے نو  
 لہال کس کو میرے نوا ہے بے تک و دو  
 نفس کے زور سے غنچہ وا نہوا بھی تو کیا  
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو  
 نکھو پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی  
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نکاو کا پیرو  
 پش سکا زخیم باں میں لالہ دل سو  
 کہ زکار نہیں ہے جہاں بس مہم جو

ہے نہ ایک غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ جوش  
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش  
 کس کو معلوم ہے ہر سنگا مہ فردا کا مقام  
 مسجد و محنت و محنت نہ ہیں تہہ سے خموش

میں نے پایا ہے اسے اشکِ گرہا ہی میں  
 جس نایب کے خالی ہے صندِ کالی غوش  
 نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں  
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ کلونہ فروش  
 صاحبِ ساز کو لازم ہے لعنِ نفل نہ ہے  
 گلے کا ہے عینِ لہذا ہنک بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں سے شیریں شاہنشاہی  
 آج آن جن نقموں میں ہے فقط روباہی  
 نظر آتی نہ مجھے متافلہ سالاروں میں  
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم اہلی  
 لذتِ نعمت کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے  
 آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تابہی  
 ایک کسری جویرت ہے سراپا تار  
 ایک کسری جویرت ہے تمام اکاہی

صفتِ برق چلتا ہے مرادِ بند  
 کبھٹکتے نہ پھر میں شلتِ شبِ راہی

۴۰۰  
 بالِ جبریل  
 ۷۶



ہے یاد مجھے سخت شہان رخشاں پر  
چیتے کا جگر چاہئے شاہوں کا تہس  
کر بیل و طاؤس کی تقلید سے توبہ  
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنہا  
جی سکتے ہیں بے روشنی و دشمنی ہنہا  
بیل فقط آواز ہے طاؤس فقط زنا!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیرو سپاہ  
علم کا مقصود ہے پاکی عتس و خرد  
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم  
فقر مستانم نظر، علم مستانم خبر  
علم کا موجود اور فقر کا موجود  
فقر ہے میروں کا ریزہ فقر ہے شہوں کا شاہ  
فقر کا مقصود ہے حقیقت قلب و نگاہ  
علم ہے جو یاتے راہ، فقر ہے روانے راہ  
فقر میں سستی ثواب علم میں سستی کناہ  
اشہد ان لا الہ الا اللہ! اشہد ان لا الہ الا اللہ!

۴۰۱  
بال حبیبیل

✽ سلمان ہمدانی، غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فکر کی سان پہ تیغ خوبی  
ایک سپاہی کی ضرب تہ تیغ ہے کار سپاہ  
دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو  
تیری نکتہ توڑ دے آسمان سے مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف  
خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف  
یہ تعشق مبارک ہو مومنوں کے لیے  
کہ یک زبان میں فقہیان شہر میرے خلاف  
ترپ ہا ہے فلاطون سیان غیب و جنوں  
ازل سے اہل حسنہ کا مقام ہے اعرف  
ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب  
گر و شائے نہ رازی نہ صاحب کشف

سُور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ  
مے فرنگ کا تہ جبر بھی نہیں ناف



شہر و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب  
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا  
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب  
اگرچہ میرے شیعین کا کر رہا ہے طواف  
مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب  
نسل ہے میں نے سخن رس ہے تیرا عثمانی  
نسل ہے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا  
تک ہے جن کے نشیمن ہیں زیادہ قریب

## قطع

اندازِ بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے  
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات  
یا وسعتِ اندال میں تجسیرِ مسلسل  
یا خال کے اغوش میں تبسح و مناجات  
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست  
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات







# رُباعیت

رہ و رسم حرم نامحسوس نہ  
تبرکے مرا پیرا بہن چال  
کلیسا کی ادا سو والہ نہ  
نہیں اہل خسوں کا یہ زمانہ

ظلامِ کج میں کھو کر سنہل جا  
نہیں ساحلِ ترقی قسمت میں لے موج  
ترپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا  
اُبھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزاد مسکان ہوں  
جہاں بیٹوں کے خود سارا جہاں ہوں  
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست  
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسرتوں میں گم ہا میں  
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں  
نہ دیکھا آنکھ اٹھا لڑ بکوتہ دو  
قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پیشاں کا روبرو آشنائی  
پیشاں ترمی رنگیں نوا آئی  
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل  
خوش آتا ہے کبھی سو خجرات آئی!

یقین، خلیلِ آتش نشینی  
یقین، اللہ مستی، خود کزینی  
سُن، اے تہذیبِ باختر کے لڑکے  
علامی سے بہتر ہے بختینی

عرب کے سوز میں سا بحر ہے      سرم کار از توحید بدامم ہے  
تھی حد تک ہے اندیشہ غرب      کہ تہذیب بنی ہے سرم ہے

کوئی دیکھے تو میری نوازی      نفس ہندی مقامِ ستاری  
ننگہ الودہ اندازِ زند      طبیعت غزنوی قہمت یاری

ہر اک فترے میں ہے شاید مگریں دل      اسی جلوت ہیں بے خلوت نشیں دل  
اسیرِ دوش و نڈر ہے لہین      غلامِ لہر و شش و انہیں دل

ترا اندیشہ فکری نہ ہے      تری پرواز لولائی نہ ہے  
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری      تری آنکھوں میں بے بالی نہ ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری  
 رہا صوفی الہی روشن ضمیری  
 خدا سے پھر ہی قلب و نظر مائل  
 نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی  
 خودی کی جستجو میں کبریا  
 زمین اسماں کی عرش  
 خودی کی دو میں ہے ساری خدائی

نہ کچھ ابھی ہوئی ہے تک و بومیں  
 خرو لھوئی لہی ہے چپا رومیں  
 نہ چھوڑے دل فنجانِ صبح کا  
 اماں شاید ملے اللہ لھو میں

جمالِ عشق وستی نے نوازی  
 جمالِ عشق وستی بے نیازی  
 کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر  
 زوالِ عشق وستی حرفِ ازی

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے      مری بلی مرا حاصل کہاں ہے  
مقام اس کا پئے دل کی خلد توں میں      خدا جانے مستام دل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں میں      نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں  
مری تقدیر ہے حنا اشک سوری      فقط بجلی ہوں میں چال نہیں میں

تمہیں سینے میں دم نئے ل نہیں ہے      ترا دم کرمی محفل نہیں ہے  
گورِ جہتِ دل سے اکے کہ یہ نور      چراغِ راہ نئے منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نورِ مئی پاک ہے تُو      سرِ رخِ دیدہ افلاک ہے تُو  
ترے سیدوں ان فرشتہ و حو      کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

محبت کا جنسوں باقی نہیں ہے  
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے  
صفیں کج دل پریشان سجدے بے وقوف  
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے نیا پہ چھایا  
مستم زناں بوجہ کار ز پاچا  
برنگ کمر حاصل آشنائے  
کعبہ محل سے من لہجہ چھایا

چمن میں خست گل شبنم سے تر ہے  
سمن ہے سبز ہے باغ و سحر ہے  
گر ہر نگار ہو سکتا نہیں گرم  
یہاں کالہ ہے سورج جگمگ ہے

خبر سے ابھر روشن ہے  
خبر و لیلیٰ ہے چراغ و لڑ ہے  
درون خانہ سے کام میں لیا لیا  
چراغ رہ لڑ لکھنوی خبر ہے



جوانوں کو مری آہ سرے  
پھرن شاہین بچوں کو بال پرے  
خدایا! از رو سیری ہی ہے  
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی دنیا جہان مرغ و ماہی  
مری دنیا افغان جگہا ہی  
ترمی دنیا میں محکوم و مجبور  
مری دنیا میں تیری پاؤں شاہی

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں میں  
غلام نعل و نجہ نہیں میں  
جہاں اپنی مری فطرت ہے لیکن  
کسی بیشک بدعت نہیں میں

وہی اصل مکان لا مکاں ہے  
مکان کھائے ہے انداز بیاں ہے  
خضر کنویر بتائے کیا بتائے  
الکرما ہی لے دریا لہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق / کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق  
کبھی میدان میں آتا ہے رزہ پوش / کبھی عریان و تیسع و سناں عشق

کبھی تنہا آتی کوہ و دمن عشق / کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق  
کبھی ساریہ محراب و منبر / کبھی ہوا مثل خیر شکن عشق

عطا اسلاف کا جذبہ دُور کر / شریک زمرہ لایح زُنوں کر  
خرد کی کشمیں اس سلجھا چکا میں / مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

نیکت میں کیسا بوا سن / کہ جاں تہ نہیں کہ بدن سے  
چماک سوج میں باقی ہے لی / الہ ربی نہ رہو اپنی لہر سے

خرو واقف نہیں ہے نیک و بد  
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد  
خدا جانے مجھے کیا ہو لیا ہے  
خرو بیزار دل سے دل خرو سے!

خدا کی اہم شکرت ہے  
وہیکن بندگی استغفرا  
خداوند احسان کی درو سر ہے  
یہ درو سر نہیں درو جگر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا  
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں  
کہوں کیا مابہ اس بے بصر کا  
یہی شہکار ہے تیرے منہ کا

دم عارف نے صبح دم ہے  
الہ کوئی شعیب آئے میتر  
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے  
شہانی سے طہی وقت دم ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے  
 نہ زور روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہمانی کیا دورِ حدیثِ لُن ترانی  
 ہوتی جس کی خودی پہلے نمودار وہی مدی وہی آخرِ نہمانی

زمانے کی یہ گردشِ جاودا حقیقت ایک تُو باقی فسانہ  
 کسی نے دوشِ کھلیا ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ رازِ زمانہ

حکیمِ نہمانی خودی کی حکیمِ رمزِ نہپانی خودی کی  
 تجھے لرخت و شاپہی کا بتا دوں غریبی میں نہ گھسناں خودی کی

ترا تن روح سے نا آشنا ہے      عجب کیا! او تیری نار ہے  
تن بے روح سے بیزار ہے حق      خدا سے زندہ زندوں کا خدا ہے

## قطعه

اقبال نے کل ایل خیاں کو سنایا  
یہ شعرِ شاط اور وُپر سوز و طربِ نال  
میں صورتِ گلِ دستِ صبا کا نہ نہیں تلج  
کہتا ہے مرا جو شرسِ جنوں میری قبا چال

دعا  
مسجدِ قطیف میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو  
میری نواؤں میں ہے رجبِ کرام کا لہرو  
محبتِ اہلِ صفا نورِ حضور و سرور  
سرخوش و پرہیز ہے لالہ لبِ آبجو  
ماہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق  
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو !  
میرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر  
میرا شمع ہیں بھی تو شاخِ شمع بھی تو  
تجھ کے سرِ بیاں مرا مطلعِ صبحِ شہور  
تجھ کے سرِ سینے میں آتشِ لہو !



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ

(مسجدِ ظہیر میں لکھی گئی)

ہے یہی میری ناز، ہے یہی میرا وضو  
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو  
صحبتِ اہلِ صفت، نور و حضور و سرور  
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبِ جو  
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتہ  
ساتھ مرے رہ کتنی ایک مری آرزو  
میرا شہین نہیں در کہ میرا وزیر  
میرا شہین بھی تو شاخِ شہین بھی تو

تجھ سے لریباں مرا طبع صبح نشور  
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُٹھو  
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ  
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو  
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویران تمام  
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوتے کاغذ و کو  
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں  
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبزو  
 چشم کرم ساقیا! دیر سے ہیں منتظر  
 جلدوتیوں کے سبزو، جلدوتیوں کے لڈو  
 تیری جلداتی سے ہے میرے جنوں کو رگد

۴۱۸  
 بالِ جبریل  
 ۹۴

# مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کر حادثات

سلسلہ روز و شب، اصل حیات و ممات

سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پروازِ رنگ

جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبلتِ صفات

سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغان

جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بمِ ممکنات

تجربہ کو پرکھت ہے یہ مجھ کو پرکھت ہے یہ

سلسلہ روز و شب، صہبِ سیر فی کائنات

تو ہو الکریم عیار، میں ہوں الکریم عیار

موتے تیری برات، موتے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا  
 ایک زمانے کی روجس میں نہ دن ہے نہ رات  
 اتنی وفائی تمام مجبوزہ ہائے ہنس  
 کار جہاں سبے ثبات، کار جہاں سبے ثبات!  
 اول و آخر فنا، باطن و ظن ہر فنا  
 نقش گہن ہو کہ نو، سن نزل آخر فنا  
 ہے مگر اس نقش میں زنا ثبات دوام  
 جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام  
 مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب ہے مرغ  
 عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام  
 شد و سبب تیرے ہے لہر پہ نہ ملنے کی رو  
 عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تمام  
 عشق کی تقویم میں عصا رواں کے سوا  
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ  
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام  
 عشق کیستی ہے پیکرِ گل تابناک  
 عشق ہے صہبائے عام، عشق ہے کائناتِ الہام  
 عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود  
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام  
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات  
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات  
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود  
 عشق سے اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود  
 رنگ ہو یا نشت و سنک چنک ہو یا عرف و صفا  
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود  
 قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل  
 خونِ جگر سے صد اسوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل سے روز میری نوا سینہ سوز  
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود  
 عرشِ معشوقی سے کم سینہ آدم نہیں  
 لہجہ لعلِ خال کی حد ہے سپہرِ لبود  
 پیکرِ نوری کو ہے جہدہ میسر تو لب  
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو  
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق  
 دل میں صلوٰۃ و درود، لبِ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری لے میں ہے  
 نعمۃ اللہ تھو میرے رل و پے میں ہے  
 تیرا جلال و جمال، مروتِ اکی و بیل  
 وہ بھی بدینِ جیل، تو بھی بدینِ جیل  
 تیری بنا پادار، تیرے ستوں بے شمار  
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجومِ بیل



تیرے درو بام پر واوی امین کا نور  
تیرا مستار ملت حب لو کہ جب تریل  
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد سماں کہ ہے  
اس کی اذانوں سے فاش سیر طیم و خلیل  
اس کی زمیں بے حدود، اس کا اُفق بے ثغور  
اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیوب و سیل  
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب  
عہد کُنن کو دیا اس نے پیامِ حسیل  
ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق  
بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اسیل  
مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زردہ 'لا اِله'  
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا اِله'  
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز  
اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم  
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز  
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ  
 غالب و کارائیں، کارشا، کار ساز  
 خالی و نوری نہاد بندہ مولا صفات  
 چہر و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز  
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد طویل  
 اس کی ادا دل فریب اس کی نکلہ دل نواز  
 نرم و کم گفتگو، گرم و کم جستجو  
 رزم جو یا بزم ہو، پاک دل و پاک بابا  
 نقطہ تر پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین  
 اور یہ عالم تمام وہم و غم و مجاز  
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ  
 حلفتہ آفاق میں کرمی محسن ہے وہ

۲۲۲

بال جبریل

۱۰۰

کعبہ ارباب فن! سطوت دین نہیں  
 تجھ جسے سرم مرتبت اندسیوں کی زمیں  
 ہے تہ کروں الحسن میں تیری نظیر  
 قلب سماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں  
 اہ وہ مروان حق! وہ عربی شہسوار  
 حامل خلق عظیم، صاحب صدق و یقین  
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمز غریب  
 سلطنت اہل دل فست ہے، شاہی نہیں  
 جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب  
 ظلمت یورپ میں تھی جن کی حسرت راہ ہیں  
 جن کے لہو کی طغیانیل آج بھی ہیں اندھی  
 خوش دل و لرم اختلاط، ساوہ و روشن جہیں  
 آج بھی اس دیس میں عالم ہے چشم غزال  
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشین

نوستے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے  
زنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں  
او کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں  
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے  
عشق بلا خیر نہ کاف تافلہ سخت جاں  
دیکھ چکا المنی، شورش صلاح دیں  
جس نے نہ چھوٹے نہیں شس لہن کے نشان  
حرف غلط بن گئی عصمت پر کُنشت  
اور ہوتی مندر کی شتی نازک رواں  
چشم فراموش بھی دیکھ چکی نعمت دلاب  
جس سے دل لگوں ہوا منہ بیوقوف جہاں  
ملکت رومی نثار او کہنہ پرستی سے پر  
لذت تجدید سے وہ بھی ہوتی پھر جہاں

۲۲۶

بالِ جبریل

۱۰۲

رُوحِ سلماں میں ہے آج وہی اضطراب  
 رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں  
 دیکھیے اس بحر کی تر سے اچھلتا ہے کیا  
 کُنبدِ نیلوفرِ سری رنگ بدلتا ہے کیا  
 وادی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب  
 بعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا شباب  
 ساوہ و نرسوز ہے دخترِ دہشتاں کالیت  
 کشتیِ دل کے لیے سبیل ہے عہدِ شباب  
 اسپ و ابنِ کلبِ سیرِ باتیرے لٹکے کوئی  
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب  
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں  
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحرِ بے حجاب

• وادِ اُلبسیر، قرطبہ کا مشہور دیا جس کے قریب ہی مسجدِ قرطبہ واقع ہے

پروہ اُٹھتا دوں اگرچہ سترہ افکار سے  
 لائے گئے کافر نام میری نواؤں کی تاب  
 جس میں نہ ہو تہمت سلاب موت ہے وہ زندگی  
 رُوح اُنم کی حیات کشمکش انقلاب  
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم  
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب  
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر  
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

## قید خانے میں محمد کی فریاد

معتقد شیعہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ سپانچے کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں  
 ڈال دیا تھا۔ معتقد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایٹ سیریز میں شائع ہو چکی ہیں۔  
 اَل فغانِ بے شرر سینے میں باقی رہ لئی  
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی



مرد سر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج  
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی  
 خوب بخود زنجیر کی جانب کھینچا جاتا ہے دل  
 تھی اسی فواد سے شاید مری شمشیر بھی  
 جو مری تیغ و دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے  
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالق تعالیٰ بھی!  
 عبدالرحمن اول کا بویا بویا لہجور کا پہلا درخت

## سرزمین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخ المعری میں مروج ہیں۔ مندرجہ ذیل  
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درخت مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا لیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو      میرے دل کا سور ہے تُو  
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں      میرے لیے نخل طور ہے تُو  
 مغرب کی چوٹ نے تجھ کو پالا      صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ نغمہ ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ٹوٹا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مت نام ہر کہیں ہے

ہم سپانیہ

(ہم سپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہم سپانیہ تُو خونِ سدا کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نظر میں

۲۳۰

بالِ مہرِیل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں  
 خاموشش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں  
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں  
 نیچے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں  
 پھر تیرے سینوں کو ضرور ستے جنا کی؟  
 باقی ہے ابھی رنار کے خونِ جگر میں!  
 کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان  
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں  
 عنبرِ لطف بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن  
 تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں  
 دیکھا بھی دیکھا یا بھی سنا یا بھی سنا بھی  
 ہے دل کی تسلی نہ نطنز میں نہ خبر میں!



# طارق کی دعا

## (اندلس کے میدان جنگ میں)

عین از می تیرے پر ابرار بندے  
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی  
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحر اوریا  
بسمٹ کر پہاڑ ان کی ہیت سے آتی  
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو  
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی  
شہادت ہے مطلوب مقصودِ مومن  
نہ مالِ غنیمت نہ کثرتِ ثنائی

خیاباں میں نے منتظر لالہ لب سے  
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تونے صحرِ اشیمنوں کو ملکیت  
خبر میں لٹنہ میں اذانِ سحر میں  
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو  
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں  
کشتادہ در دل سمجھتے ہیں اس کو  
ہلاکت نہیں موتان کی لٹنہ میں  
دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے  
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں  
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے  
نچاہہ سماں کو تلوار کر دے

## لینیں (خدا کے حضور میں)

اے انفسِ آفاق میں پیدا ترے آیات  
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائند و ترمیمات  
میں کیسے سمجھتے کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے  
ہر دم متغیر تھے حسد کے نظریات  
محرم نہیں فطرت کے سر و اڑلی سے  
بیلے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات  
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت  
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات  
ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے  
تو حنا لیں اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں  
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات  
 جب تک میں جیسا کہ افلاک کے نیچے  
 کھنڈے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات  
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا  
 جب روح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات  
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبود  
 وہ آدم حنائی کہ جو ہے زیرِ سماوات؟  
 مشرق کے خداوند سفیدانِ مندرلی  
 مغرب کے خداوند خوشندہ فلزات  
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے  
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات  
 رحمتِ انبیاء میں رونق میں صفا میں  
 اگر جس سے کہیں بڑھ کے ہیں شکوں کی عمارات

۴۳۴

بالِ جبریل

۱۱۰



ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے  
 سود ایک کا لالچوں کے لیے مرل مفاجات  
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت  
 پیٹتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات  
 بے کاری و غریانی و بے خواری و افلاس  
 کیا کم ہیں منہ نگی مذہبیت کے مستوحات  
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومحسروم  
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات  
 ہے دل کے لیے موت شینوں کی حکومت  
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات  
 آثار تو کچھ کچھ نطفہ نہ آتے ہیں کہ اس  
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات  
 مہمان کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل  
 بیٹھے ہیں اسی منکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نطن آتی ہے شرم  
 باعثِ ازہ ہے یا باعثِ سر و دنیا کی کرامات  
 توفیق اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں  
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات  
 کب ڈوبے گا سرِ یارِ پستی کا سینہ؟  
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

## فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے نام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی  
 نقشِ کبر ازل! ترا نقش ہے تہا نام ابھی  
 خلقِ خدا کی لمحات میں رند و فقیر  
 تیرے جہاں میں ہے وہی لکڑشِ صبح و شام ابھی  
 تیرے مہرِ مالِ مست تیرے فقرِ حالِ مست  
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلندِ بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو س تمام  
 عشق کرہ نشاے کافض نہیں ہے عام ابھی  
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی  
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردہ کی نیام ابھی!

## فرمان خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلاؤ  
 کہ ماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے  
 سلطانِ جبر کا آلت ہے زمانہ  
 جس کھیت سے ہمتاں کو میسر نہیں روزی  
 کیوں خالق و مخلوق میں عامل رہیں چروے  
 حق را بسجودے نہماں را بطولِ ف  
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے  
 تہذیبِ نوئی کا دلہ شیشہ لہاں ہے  
 کاخِ امرا کے در و دیوار پلاؤ  
 گنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑاؤ  
 جو نقشِ کفن تم کو نظر آئے مٹاؤ  
 اُس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلاؤ  
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھاؤ  
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بچھاؤ  
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بناؤ  
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو بکھاؤ

# دوق و شوق

( ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے )

دربخ آمد ز ایں ہمہ بوستاں    تنہی دست رفتن سوتے وستاں

قلب نطفہ کی زندگی دشت میں صبح کا سہا

چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

حسن ازل کی ہے نمود، چاک ہے پڑۂ وجود

دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں

سرخ و لبو و بلبیاں چھوڑ کیا سحاب شب

کوہِ اہم کو دے کیا زنگ بزمِ طلیاں

کرو سے پال ہے ہوا، برکِ نخیل وصل کتے

ریاکِ نواح کا طہ زہم ہے شلِ بریاں

اک نجمی ہوتی ادھر، ٹوٹی ہوتی طناب ادھر

کیا خبر اس مقام سے کز رے ہیں کتنے کارواں

۴۳۸

بالِ جبریل

۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا ہم ہے یہی  
 اہل سراق کے لیے عیشیں دوام ہے یہی  
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے حیات  
 کہنے ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ  
 کیا نہیں اور غم نہ نوی کار کہ حیات میں  
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا  
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ کبر عجم کے ساز میں  
 نے عربی مشاہدات، نے جمعی تختِ لا  
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں  
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے دجلہ و فرات  
 عقل و دل و نگاہ کا مرثدا و لیں ہے عشق  
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کہ تصور ات

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق  
 مسرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا مہربانی و مہربانی  
 نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو  
 جلو تیان در سر کو رنگاہ و مردہ ذوق  
 جلو تیان سے لہ لہ طلب و تہی لہو  
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ  
 میری تمام سرگزشت لھوئے ہواؤں کی جستجو  
 باوجود بھالی موج سے نشوونمائے خار و خس  
 میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو  
 خونِ دل جو کس سے ہے میری نوا کی پرورش  
 ہے دل ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو  
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را  
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را  
 نوح بھی تو، تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب  
 گنبدِ ابلق نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶



عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ  
 فترت ریک کو دیا تو نے طبع افسانہ  
 شولتِ سخنِ سلیم تیرے حلال کی نمود  
 فقرِ خشنید و باریز تیرے اجمال بے نقاب  
 شوق ترا کر نہ ہو میری نماز کا امام  
 میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب  
 تیرے نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے  
 عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب  
 تیرے دھارے جہاں گردشِ آفتاب  
 طبع زمانہ تازہ کربلا سے حجاب  
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے لڑشتہ روز و شب  
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب  
 تازہ مرے ضمیر میں سرکہ لہنِ جوا  
 عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولنب

گاہ بچیدہ می برد، گاہ بزور می کشد  
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب  
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق  
 وصل میں مرکبِ آرزو، حجبِ سر میں لذتِ طلب  
 عینِ وصل میں مجھے جو حسدِ نظر نہ تھا  
 کہ چہ بہانہ جو رہی یہ سیرِ نکاہِ ادب  
 کہ می آرزو فراق، شورِ شبنمِ ہلے و ہون فراق  
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جگنو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو  
 پروانہ کیوں آتشیں بے سوز پہ مغرور ہے جگنو  
 جگنو

اللہ کا شکر کہ پروانہ نہیں میں  
 درِ یوزہ لہر آتشیں بیگانہ نہیں میں

## جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سراغ  
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ  
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود  
ہزار کو نہ منہ روغ و ہزار کو نہ منہ سراغ  
ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلستِ پروازی  
خراب کر لیتی شاہیں بچے کو صحبتِ زراغ  
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی  
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے واغ  
ٹھہر سکا نہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال  
کہ ہے ظریف و عوشِ اندیشہ و شکفتہ و مانغ



# کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ بڑیر کدے لہا  
ہے ہمارے شہر کا والی کداتے بے حیا  
تاج پہنایا ہے کس کی بے گناہی نے اسے  
کس کی عزت پرانی نے بخش ہے اسے زریں قبا  
اس کے آپ لالہ لوں کی خون بہت سے کشید  
تیرے لیے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا  
اس کے نعمت خانے کی ہر چہ یہ مانگی ہوتی  
وینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا  
ماننے والا کد ہے صدقہ ماننے یا خراج  
کوئی ماننے یا نہ ماننے میر و سلطان سب کد!

(ماخوذ از انور می)

## ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا  
 حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت  
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر کس طرف  
 خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ بہشت  
 نہیں فرووس مقامِ بدل و تال و اقل  
 بحث و تکرار اس لشد کے بندے کی شہت  
 ہے بد آموزی اقوام و عیال کام اس کا  
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

## دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی      سما کی کہاں اس فقیری میں میری  
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں      کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سب بزرگی

سیاست نے مذہب سے کچھ اٹھایا  
 چلی کچھ نہ چلی کھلیا کی پیروی  
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی  
 ہو جس کی اسیری ہو جس کی وزیری  
 دوتی ملک دین کے لیے نامرادی  
 دوتی چشم ہند کی ناہی  
 یہ محباز ہے ایک صحرائیں کا  
 بشیری ہے اسینہ دارندیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی  
 کہ ہوں ایک خستیدی اردو شیری

الارض رلد!

پاست ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون  
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟  
 کون لایا کھینچ کر پچھلے سے بادِ سازگار  
 خال یہ پس کی ہے کس طے ہے یہ نورِ آفتاب؟  
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب  
 موسموں کو کس نے سلجھلائی ہے غم سے انقلاب؟

۴۴۶  
 بالِ جبریل  
 ۱۲۲



وہ خدا یا! یہ زمین سیری نہیں تیری نہیں  
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں سیری نہیں

## ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے تالین ہیں ایرانی  
لہو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی  
امارت کیا ہشکدہ خسرو می بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلطانی  
نہ ڈھونڈ اس پسینہ کو تہذیبِ باختری کی جہتلی میں  
کہ پایا میں نے استغنا میں مسراجِ سلطانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں  
نطرت آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں  
نہ جو نوہید، نوہیدِ دی زوالِ علم و فن ہے  
انہی سردِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے گنبد پر  
تو شاہیں ہے بسیرا لڑ پھاڑوں کی چٹانوں میں

## نصیحت

بچہ شاہیں سے کہتا تھا عتاب سالخورد  
اے ترشہ سپر ایساں فوت چرخ بریں  
ہے شب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام  
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجس  
جو کبوتر پر چھپنے میں مزا ہے اسے پھر  
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

## لالہ صاحبہ

یہ گنبدِ مینائی، عینِ الم تہائی  
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو  
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی  
 حنائی ہے ظہیموں سے یہ لوہ و لمر ورنہ  
 توشعہ سینائی میں شعلہ سینائی  
 توشاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا  
 اک جبذہ پیدائی ال لذت بختائی  
 نعمۃ احسن محبت کا اللہ نہ سب ہوا  
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے کس سرائی  
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھٹورلی انگلی  
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی  
 ہے کرمی آدم سے ہر نکاتہ عالم کرم  
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی  
 اے بادبیا بانی! مجھ کو بھی عنایت ہو  
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و عنائی!

# ساقی نامہ

ہوا خمیر زن کاروان ہزار  
 گل و زرسن و سوسن و سترن  
 جہاں خمپ کپ کیا پڑے رنگ میں  
 فضا زبلی زبلی ہوا میں سرور  
 وہ جوئے کستاں چپکتی ہوتی  
 اچھلتی، پھپھکتی، سنہلکتی ہوتی  
 رُکے جب تو بھل چیر دیتی ہے یہ  
 ذرا دیکھ اسے ساقی لالہ فام!  
 پلاوے مجھے وہ ہے پردہ سوز  
 وہ ہے جس سے دشمن خمیر حیات  
 وہ ہے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

ازم بن گیا دامن کو ہزار  
 شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن  
 لہو کی ہے گردشِ ریلِ سبک میں  
 ٹھہرتے نہیں اشیاء میں طیور  
 اُٹکتی، بچکتی، سرکتی ہوتی  
 بڑے پوچھ کھ کاز بھکتی ہوتی  
 پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ  
 سناتی ہے یہ زندگی کا پیام  
 کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز  
 وہ ہے جس سے ہے مستی کائنات  
 وہ ہے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

۲۵۰  
 بالِ جبریل  
 ۱۲۶

اٹھا سا قیامِ پروہ اس راز سے

لڑا دے ممو لے کو شہِ راز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ

پُرانی سیاست کرمی خوار ہے

کیا دورِ سرمایہ داری کی ہے

گراں خوابِ چینی سنبلنے لگے

دلِ طورِ سینا وں رازِ دہیم

مسماں ہے توحید میں کرم جوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام

حقیقتِ خرافات میں لھو لتی

لُجھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدِ مست حق میں ہر

نیارِ ال ہے سازِ بدلے گئے

کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

زمینِ میر و سلطان سے بیزار ہے

تماشہ لکھا لکھ مارِ می کی ہے

ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مردِ دل ابھی تاسی ہے ز قمارِ پوش

بتانِ عجم کے چرباری تمام

یہ اُمتِ روایات میں لھو لتی

مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

نُغت کے بھیروں میں الجھا ہوا

محبت میں کتنا جہتیت میں فرو

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو خلا می سے ازاو کر جوانوں کو پیروں کا استواو کر

ہری شاخ ملت تیرے خم سے ہے نفس اس بدن میں تیرے خم سے ہے

ترپنے پھر کئے کی تو نسیق دے دل مرتضیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تنہا کو سینوں میں بیدار کر

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شبِ زندہ واروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ کو واس سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستیا کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ و نظر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں



مرے نالہ نیم شب کانپ از  
 اُسنگدیں مری، آرزو میں مری  
 مری فطرت آئینہ روزگار  
 مرادول، مری رزم کا جہیات  
 یہی کچھ ہے ساقی مستیِ فقیر  
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹکے اے

لٹاؤں، ٹھکانے لٹکے اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی  
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود  
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل  
 یہ ثابت بھی ہے اور ستیاری بھی  
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر  
 یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات  
 پسند اس کو تکرار کی خوشیں  
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی  
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود  
 خوش آتی اسے محنت آب و گل  
 عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی  
 مگر ہر سرسبز بے چلوں بے نظیر  
 اسی نے تراشا ہے یہ سومات  
 کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمنِ فہرین  
 مگر عینِ نسل میں خلوتِ نشین  
 چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں  
 یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں  
 اسی کے سپہاں اسی کے بیول  
 اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں ٹھول  
 کہیں اس کی طاقت کے گہوار چور  
 کہیں اس کے پھندے ہیں پیرِ نور  
 کہیں بسترِ شاہین سیلابِ بند  
 لہو سے چلو روں کے اکوہ چنک  
 کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں ماصبہ

فریضہ ہے سکون و ثبات  
 تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات  
 ٹھہرتا نہیں کاوانِ وجود  
 کہ ہر بھٹکتا ہے تازہ شانِ وجود  
 سمجھتا ہے ثور از ہے زندگی  
 فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی  
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند  
 سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند  
 سفرِ زندگی کے لیے ریل و سائ  
 سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبائ  
 الجھ کر سلجھنے میں لذتِ اسے  
 تڑپنے پھڑکنے میں احتِ اسے  
 نہوا جب اسے سامنا موت کا  
 کٹھن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴  
 بالِ جبریل  
 ۱۳۰

اتر کر جس ان مکانات میں  
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج  
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے  
 اسی شاخ سے ٹھوٹتے بھی رہے  
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات  
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات  
 بڑتی سینہ جلاں بڑی زود رس  
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دھوں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے  
 خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے  
 خودی کیا ہے، راز و رُونِ حیات  
 خودی کیا ہے، بیداری کائنات  
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند  
 سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند  
 اندھیرے اُجلے میں ہے تابناک  
 من و ثو میں پیدا، من و ثو سے پاک  
 ازل اس کے پیچھے ابد سمنے  
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے  
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی  
 بستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی  
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی  
 دما دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں سبک لڑا  
 سفر اس کا انجام آفت زار ہے  
 لہر چاند میں ہے شرر سبک میں  
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے  
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر  
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک رول  
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے  
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں  
 نشیب فراز و پس و پیش سے  
 جھوٹی خال آدم میں صورت پذیر

خودی کا شہین تھے دل میں ہے  
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہاں کو ہے زیر ناب  
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند  
 فروغ ال محمد سے درگزر  
 وہی سجدہ ہے لائق اتہام  
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت  
 یہ عالم، یہ بیت خانہ چشم و گوش  
 خودی لی یہ ہے منہ نزل اولیں  
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب  
 رہے جس سے دنیا میں لہرون بلند  
 خودی کو نیکو رکھ، ایازمی نہ کر  
 کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام  
 یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت  
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش  
 مسامحہ! یہ تیرا شہین نہیں

ترمی آگ اس خاک و اداں سے نہیں  
 جہاں تجھ سے ہے توجہاں سے نہیں  
 بڑھے جا یہ کوہ کراں توڑ کر  
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر  
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید  
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید  
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود  
 کہنالی نہیں ہے ضعیف و مجرور  
 ہر اک منتظن تیرے یمن کا  
 تری شوخی فکرو کردار کا  
 یہ ہے مقصد گردش روزگار  
 کہ تیری خودی تجھ پہ چو آشکار  
 تھے فاتیح عالم خوب و زشت  
 تجھے کیسا باتوں تری سر نوشت  
 حقیقت یہ ہے جامہ حرف تنک  
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس  
 حقیقت ہے آئینہ گفتار زند  
 مکر تاب نفستار کہتی ہے بس

اکر یک سر نموے بر تر پریم  
 من و رخ تجھ بستی بسوز پریم



## زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ مہرِ ما  
 قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا شتاق ہے نہ  
 ہری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواثِ ٹپک رہے ہیں  
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ  
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسمِ راہ میری  
 کسی کا رالک کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ  
 نہ تھا اگر تو شرابِ محفلِ قصور سے اسے یا کہ تیرا  
 ہر اطرعت نہ نہیں کہ رطلہ لوں کسی کی خاطر سے مشتبات  
 میرے جسم پہیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے  
 ہدف سے بیگانہ تیرا جس کا نظر نہیں جس کی عارف نہ

۲۵۸

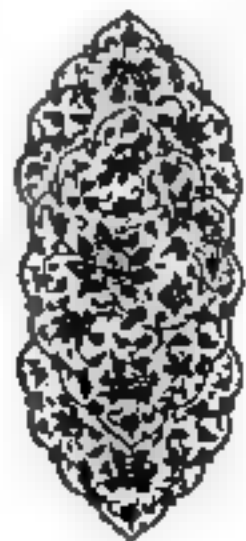
بالِ جبریل

۱۳۴



شفق نہیں سہری افق پر یہ جھٹے خوں ہے یہ جھٹے خوں ہے  
 طلوع نہ اُکا منتظر رہ کہ دوشن امروز ہے فنا  
 وہ گزرتا جس نے غمراں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو  
 اسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ  
 جو آتیں اُن کی فضا میں اُن کی ہمسند ران کے جہاز اُن کے  
 گمراہ بھنور کی گھٹے تو کیونکر بھنور ہے تعتیر کا بہانہ

جہان نو چور ہے پیدا، وہ عالم پر مر رہا ہے  
 جسے نہ نئی نعمت ابروں نے بہت دیا ہے قمار خانہ  
 ہوا ہے لاش و تیز لکین چہ راغ اپنا جلا رہا ہے  
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



# فرشتے ادم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے روزِ شب کی بیتابی  
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی  
سنائے خال سے تیری مود ہے، لیکن  
ترمی ہر شست میں ہے گوبی و متابی  
جمال اپنا الزخواب میں بھی تو دیکھے  
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکلِ خواہی  
کہاں بس ہے ترالہ یہ حسرت کا ہی  
اسی سے ہے ترخسہ نسلِ نسن کی شادابی

ترمی تو اسے ہے پردہ زندگی کا ضمیر  
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

# روح ارضی ادم کا استقبال کرتی ہے

لکھول آنکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ  
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ  
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ  
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ  
بے تاب نہ ہو کہ کہہ دےم ورجا دیکھ!

۲۶۰  
بالِ جبریل  
۱۳۶

ہیں تیرے تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں  
 کیسے بد فلاح یہ خاموش فضا میں  
 یہ کوہِ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں  
 تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو  
 سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے  
 ناپید ترے بھر خستیل کے کنارے  
 دیکھیں گے تجھے دور سے لڑوؤں کے سناے  
 پھنچیں گے فلک تک تری آنکھوں کے شرارے  
 تمہیں خودی کرنا اثرِ آہِ رسا دیکھو

خوشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں  
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں  
 چھتے نہیں بخشے ہوتے فردوسِ نظر میں  
 جنتِ تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں  
 اے پیکرِ گلِ کوششِ پیہم کی جزا دیکھو

نالندہ ترے غود کا ہر تارا زل سے  
 ٹو جس محبت کا سریدار ازل سے  
 تو پیرِ غم نہ اسرارِ ازل سے  
 محنت کش و خونِ یز و لم ازار ازل سے  
 ہے راکتِ بختِ دیرِ جہاں تیری ضا دیکھو



# پیر و مرید

## مرید پسندی

چشم بینک سے ہے جاری جوتے ٹوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

## پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

## مرید پسندی

اے امام عاشقان درویش! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند

نخک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کج بامی آید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲

بالِ جبریل

۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ یورپ با فروغ و تاب مال  
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

بر سماع راست ہر کس چیر نیست  
طعمہ ہر مرقعے کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک دو کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کنہ  
سوتے ماوراکہ تیمار ت کنہ

مرید ہندی

اے گنجتیری کے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

پیر رومی  
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن  
بر زجاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی  
ہے نکاح و نسا اور ان میں غریب  
خو جنت کے ہر خوشتر غریب

پیر رومی  
ظاہر تہ کرا سپید است و نو  
دست جامہ ہم سیاہ کرد و از نو

مرید ہندی  
اے مکتب کا جوان کرم خوں! ساحر افرنک کا صید زبوں!

پیر رومی  
مربغ پر ناز ستہ چوں پراں شود  
طعنت ہر کربتہ و تراں شود

۴۶۴  
بال جبریل  
۱۴۰



مرید ہندی

تاج اکویش دین و وطن جوہر جہاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب

انتظار روز می دارد و دہسب

مرید ہندی

سہ آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شہ راپشہ آرزو چرخ

ہنرش آید عیبت ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوست است  
دید آن باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرقی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

ہر ملک اُمت پیشیں کہ بود  
ز انکہ چہ بدل لساں بڑ نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو  
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درو  
چہچ قوسے راحت دار سوانہ کرد

۲۶۶  
بالِ جبریل  
۱۴۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوتے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندہ نشِ حیرانی بخر  
زیر کی نطق است حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم نہیں فتیرے بے گلاہ و بے کلیم

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی  
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ سستی خاصانِ بد! میں نہیں سمجھا حدِ شبِ حیر و قدرا

## پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد  
بال زانغاں را بلورستان برد

## مرید ہندی

کار و بار خسرو می یا را پس کی ہے آخر غایت دین نہی؟

## پیر رومی

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ  
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لہوہ

## مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

## پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زوچوں سمند  
چوں جنازہ نے کہ برکردن برند

۳۶۸  
بال جہیل  
۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آتے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت ابسبیں

ویدن ہر چیز را شرط است این

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ از د صید را عشق است و بس

لیکن او کے لُجھ اندر و اہم کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

## پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہیں  
 غنچہ باشی کو دکانت برکت  
 وانہ پنہاں کن سراپا دام شو  
 غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

## مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کرتلاش  
 طالب دل بشارت و پیکار بشارت  
 جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے  
 میرا جو مرید ہے اسے نہیں ہے

## پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نہیں ہست  
 دل فراز عرش باشد نے یہ پست  
 تو دل خود را دے پند اشتی  
 جستجوے اہل دل بکشد اشتی



## مرید ہندی

آسمانوں پر مرا منکربند  
میں زمین پر خوار و درمند  
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں  
ٹھوکریں اس آہ میں لھاتا ہوں میں  
کیوں مجھے بس کانہیں کار زمین  
اب دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

## پیر رومی

اے کہ برافناں رفتار شرب  
بر زمین رستن چہ دشوار شرب

## مرید ہندی

علم و حکمت کا مے کیونکر سراغ  
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ

## پیر رومی

علم و حکمت زاید از نان حلال  
عشق و وقت آید از نان حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا قفت اضما انجمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار بایک نے زیاد  
پوستیں بہرے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہر تیر روز!

پیر رومی

کار مرداں روشنی و لکڑی است  
کار دونان حیلہ و بے شرمی است



# جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد پرینہ کیسا ہے جس ان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گفست کو  
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس اڑے  
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو  
اب یہاں میری کز ممکن نہیں ممکن نہیں  
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

۴۷۳

بال جبریل

۱۲۹

جس کی نو سیدی سے ہو سوز و زون کا سنت  
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھلے یا لَا تَقْنَطُوا؟

جبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقامِ است بلند  
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جراثیم کے مشتِ خال میں ذوقِ نو  
میرے فتنے جاویدِ تسل و تنہا کا تار و پو  
وہیقت ہے توفیقِ حاصل سے زخمِ شہر و  
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟  
بخضر بھی بے دستِ پاءِ الیا کس بھی بے دستِ پاءِ  
میرے طوفانِ یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو  
گر کبھی سلوتِ مستر ہو تو پوچھ اللہ سے  
قصۂ آدم کو زنجیں کر لیا کس کا لہو!

۲۷۲

بالِ جبریل

۵۰

میں کھٹکتا ہوں دل نرواں میں کانٹے کی طرح  
تو فقط اُٹھو، اُٹھو، اُٹھو!

## اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم حسر نے  
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟  
کہنے لگا مزید، ادا فہم ہے تفتید  
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار  
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟  
اس لکڑیاب شب کو رے کیا چم کو سزاوار  
بولا مہ کامل کہ وہ کو کب ہے زینبی  
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار  
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے  
اونچی ہے تریسے بھی یہ حال پر اسرار

انگوٹش میں اس کی وہ تختی ہے کہ جس میں  
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و ستار  
 ناکاہِ غضبِ بابتِ اذان سے ہوتی لب لباب  
 وہ نعرہ کہ پل جاتے جس سے دل کھسکا

## محبت

شہیدِ محبت نہ کاغذِ نثر غازی      محبت کی رسمیں نہ شرک نہ تازی  
 وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے      سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی  
 یہ جو ہر کارِ نثر مانہیں ہے      تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی  
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان      محبت ہے آزادی و بے نیازی

ہر نعمت بہتر ہے اکندری سے  
 یہ آدم لری ہے وہ آئینہ سازی





# ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی  
تو اے مسافر شبِ بانو و چراغ بن اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

## جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا مست ام پیدا کر نیازِ زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر  
خدا اگر وہ فطرت شناس ہے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر  
اٹھانہ شیشہ لہراں فرناک کے احساں سہاں ہند سے یہ سنا و جام پیدا کر  
میں شاخِ تال ہوں سیریِ گل پہ میرا مے شمرے مے لالہ و فام پیدا کر

مرا طریق ایسی ہی نہیں فقیری ہے  
خودی نہ بیچ ہم سیری میں نام پیدا کر



## فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں ہے کیا!  
سمجھا نہیں سلسلِ شام و سحر کو میں  
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ الٰہیوں  
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں  
گنجلت نہیں مرے سحرِ زندگی کا راز  
لاؤں کہاں سے بندۂ صہابِ نطن کو میں  
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے میں  
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں  
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ  
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۲۷۸  
بالِ جبریل  
۱۵۲

## یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے غریب  
 اک بھر پر آشوب و پراسرار ہے رومی  
 تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال  
 جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی  
 اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام  
 کہتے ہیں چراغِ رُوحِ اسرار ہے رومی

## جواب

کہ کتبِ یادِ خورد و جو ہمچوں خراں  
 اہوانہ درختن چراغِ خواں  
 ہر کہ گاہ و جو خورد و تیرباں شود  
 ہر کہ نورِ حق خورد و شرآں شود

## نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز  
 جو شکرِ کردار سے گھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

جوشِ کردار سے شمشیرِ سلندر کا طلوع  
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے لدا ز  
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمگیر  
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز  
 صفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر  
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز  
 ہے مکر و حسرتِ کردار نفسِ مایوس  
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ ٹمٹمے و راز  
 "عاقبت منزلِ مایا و مہی خاموشانِ است  
 حایلِ غلغلہ و رن سبدا فلال انداز"

## مسوینی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب  
 ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ہمتِ کاشاب

ندرت فکر و عمل سے معجز است زندگی  
 ندرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب  
 رومۃ الکلب سے بولہ گولوں پہ لیب تیرا ضمیر  
 اینکہ می بینم یہ پیر است یارب یا بہ خواب  
 چشم پیران لہن میں زندگانی کا فروغ  
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب  
 محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود  
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب  
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسور ہے  
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب  
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟  
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ شعاعِ آفتاب



## سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے  
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی  
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے  
کرتے ہیں عظام درویشی کو میری

## پنجاب کے درہقان

بتا کی تری زندگی کا ہے از  
ہزاروں برس سے ہے تو خال باز  
اسی خال میں دب گئی تیری اک  
سحر کی اواں چولتی اب تو جال  
زمین میں ہے کو خالیوں کی برات  
نہیں اس اندھیرے میں اب حیات  
زبانے میں جھوٹا ہے اس کا بھین  
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں  
بتان شعوب و قبائل کو توڑ  
رہنوم کنن کے سلاسل کو توڑ  
یہی دین محکم، یہی فستح باب  
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

بجائے بدن دانہ دل نشاں  
کہ اس دانہ واروز حاصل نشاں



# نادر شاہ افغان

خضر حق سے چلائے کے نولوتے لالا

وہ ابر جس سے رک گئی ہے شیل تار نفس

بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آتی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنہ کا سبز نورس

سرشک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں

خدا کہ استیلا شد اہل و عیال و زناں

# خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم  
 کہ ہونا م فتنانیوں کا بلند  
 محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے  
 ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند  
 مغل سے کسی طرح کست نہیں  
 قہستان کا یہ بچہ ارجمند  
 کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات  
 وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند  
 اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ  
 مغل شہسواروں کی لکڑی پسند

## تاماری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمت امہ ہرن  
 کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال

خوشحال خاں جنگ پشتہ زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد  
 کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اس کا  
 ساتھ دیا۔ اس کی قریباً ایک سو نٹھوں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ  
قباۓ ملک و دولت چال و چال!  
مرا امیاں تو ہے باقی و بس کن  
نہ لکھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!  
ہو اسے شہ کی موجوں میں محصور  
سمرقند و بخارا کی کھنڈ خاں!

بلکہ اگر دیکھو چاند اٹکے یسٹم  
بلا انکشتری و سن یسٹم

یہ کایک پل کئی حنا کی سمرقند  
اٹھا تیسرے کی تربت سے ال نور  
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی  
صدائے آتی کہ میں ہوں رُوح تیمور  
اگر محصور ہیں مردان تاتار  
نہیں اللہ کی تعذیر محصور  
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے  
کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟

’خودی راسوز و تابے دیکرے وہ  
جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

\* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طووسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

## حالِ محنت

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بہت دیر  
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نلکراں اور  
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ  
ہر لحظہ پہ سالک کا زمان اور مسکن اور  
الفاظِ معنائی میں تعناوت نہیں لیکن  
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور  
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں  
گر کس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

## \* ابو العلامہ معری

کہتے ہیں کبھی کوشت نہ کھاتا تھا معری  
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ کز اوقات

\* ابو العلامہ معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے بھیجا  
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات  
 یہ خوان ترو تازہ مستری نے جو دیکھا  
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران \* و لزومات \*  
 اے مرغابِ حیا رہ! ذرا یہ توبہ تُو  
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟  
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو  
 دیکھے نہ تری انکھ نے فطرت کے اشارات  
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے  
 ہے جبرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاعیات!



\* غفران — رسالۃ الغفران، معرہ کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے  
 \* لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

## سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے      سفیل ہے یا صنعتِ آزرمی ہے  
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافرِی تھا      یہ صنعت نہیں شیوہِ ساحری ہے  
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا      یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنیائی مٹی، یہ دُرخ کی مٹی  
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکسری ہے

## پنجاب کے پیرِ راہوں سے

حاضر ہو اُمینِ شیخ مجتہد کی لحد پر  
وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار  
اس خال کے دُتروں سے ہیں سرِ مندر ستارے  
اس خال میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار  
کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لے  
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸  
بالِ عبریل  
۱۶۴



وہ پسند میں سرمایہ بخت کا نگہباز  
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار  
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو  
 آنکھیں مری سینا ہیں، ولیکن نہیں بیدار  
 آتی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند  
 ہیں اہل نطنز کشور پنجاب سے بیزار  
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں  
 پیدا کئے فقر سے چوٹیرہ دستار  
 باقی کلمہ فقر سے محنت و لولہ حق  
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

## سیاست

اس کھیل میں تعین مرا تہی ضروری  
 شاطر کی عنایت سے تو فرز میں پیادہ  
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک غمراہ چہیز  
 فرز سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

# فقر

اک منقر بکھاتا ہے صرستیاد کو پنچیری  
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لہری  
 اک منقر سے قوموں میں سکینی و دلیری  
 اک منقر سے مٹی میں خاصیت اسیری  
 اک منقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری  
 میراث مسلانی بڑیہ شبیری!

## خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض  
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدور عجم جس کے سرے سے روشن بھر

”زبہر درم مند و بد خوب باش  
 تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

۴۹۰

بال جبریل

۶۶

## جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے      دُنیا کے لیے روستے نوری  
عالم ہے خموشِ دستِ گویا      ہر شے کو نصیب ہے حضورِ  
دریا، کُھسار، چاند، تارے      کیا جانیں منہ راق و ناصہوری  
شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی  
یہ ناک ہے محرمِ جُدائی

## خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوں نہیں  
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ ساری کا فن  
”قم پا ذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے  
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



# ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے  
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفنِ خال!  
جاں لاغر و تن سربہ و ملبوس بدن زیب  
دل نزع کی حالت میں، خرد و نچستہ و چالال!  
نہ پاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت  
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!  
تجہ کو نہیں معلوم کہ خوراکِ ہشتی  
ویرانی جنت کے تصور سے ہیں غمِ ناک؟  
جسٹور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست  
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہ افلال!



لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس  
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس  
جسے بلا یہ مستلح کر ایں بسا، اُس کو  
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے  
ستم یہ عنیم کدہ رنگ و بو کی ہے بنیاد  
خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا  
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ احباب  
دیا جواب اُسے خوب مرغِ صحرا نے  
غضب ہے داد کو سمجھا اُٹھو اسے تو بیدا  
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا  
وجود جس کا نہیں جذبِ خال سے آزاد

# شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارتِ کبر جس کی صنعت ہے رُوحِ انسانی  
نکتہ دلپذیر ہے یہ کہ گریہ ہے حکیمِ ست آبی  
”پیشِ خورشیدِ مگرشِ یوا“  
خواہی ار صحنِ حنا نہ نورانی“

# فلسفی

بلندِ بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غیور  
حکیمِ سہر محبت سے بے نصیب ہوا  
پھر افضاؤں میں لکڑس لکڑچہ شاہین وار  
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب ہوا



۴۹۴

بالِ جبریل

۱۴۰



# شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ اس سے کنارا  
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو  
 نہ بادِ باری نہ کچھیں نہ بیل  
 خیابانیوں سے ہے پر پیرِ لازم  
 ہوئے بیاباں سے ہوتی ہے کاری  
 حمام و کبوتر کا ٹھوکہ نہیں میں  
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا  
 یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا  
 جہاں زرق کا نام ہے اسب و آن  
 ازل سے ہے فطرت مری اہربان  
 نہ بیمار ہی نفی نہ عاشق نہ  
 ادائیں ہیں ان کی بہت دسبر  
 جواں مرد کی ضربتِ عن زیا  
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدان  
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ  
 مرا نیلگوں آسمان بیکرا

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں  
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



## باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی  
لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن  
شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ  
ماندِ بُتوں چبھتے ہیں عصبے کے برہمن  
نذرانہ نہیں، نوو ہے پیرانِ حرم کا  
ہر حرفِ تہ سالو س کے اندر ہے مہاجن  
میراث میں آتی ہے انھیں سندِ ارثا  
زاغوں کے تصرف میں عتابوں کے نشین!

## ہارون لی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے  
جاتے کا کبھی تُو بھی اسی راہِ کُزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت  
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

## ماہر نفیات سے

خبر آتے ہیں تو افکار کی دنیا سے لڑ جا  
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے  
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار  
جب تک تو اسے ضربِ ظہری سے نہ چھے

## یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مذستے یہودی سود خوا  
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ  
خود بخود کرنے کو ہے پتے ہوتے پھل کی طرح  
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

# آزادی افکار

جو دُورنی فطرت سے نہیں لائق پرواز  
اُس مُزعج بے چارہ کا انجام ہے افتاد  
ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا  
ہر کندہ نہیں طائر فردوس کا صیاد  
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک  
جس قوم کے اندر اچوں ہر بے کد آزاد  
کو فکیر خدا داد سے روشن ہے زمانہ  
آزادی انکار ہے ایسی کی ایجاد

## شیر اور خچر

شیر  
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے ملک  
کون ہیں تیرے اب جد کس قبیلے سے ہے تو؟

۴۹۸

بالِ جبریل

۱۶۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور  
وہ مبارقہ شاپریا صطبل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

نیں پائمال و خوار و پریشان درو مند  
تیرا مست کام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں  
نیں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

## قطعہ

فطرت مری مانند سیم سحری ہے  
 رفتار ہے میری لکھی آہستہ لکھی تیز  
 پہناتا ہوں اسلس کی قبا لالہ و گل کو  
 کرتا ہوں سحر سار کو سوزن کی طرح تیز

## قطعہ

گل اپنے مُردوں سے کہا پیرمغاں نے  
 قیمت میں میرے ہی ہاؤر ناس سے چند  
 زہر اے اُس قوم کے حق میں مے افروغ  
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند





# ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

فرب کلیم

افکار نامہ

اعظم خجک زمانہ ہر کم ہون  
(پیشہ)

۵۰۲  
ضرب کلیم  
۲



نہیں متام کی خاکِ طبیعت آزاد  
ہوا ہے سیرِ شالِ نسیمِ پیدار  
ہزار چشمہ تھے سنگِ راہ سے پھوٹے  
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیمِ پیدار



انجمن دانشیاد اسلامی ایران

عنوانی

[illegible]

در خود است و فرست کارای عالم  
 بعد از آن خلیف به طلب از عالم

نظرات خود را بر این کتاب بنویسید و به کتابخانه تحویل دهید

۵۰۲  
حضرت کلیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست

\* علی حضرت نواب سر حمید اللہ خاں  
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

\* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

\* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفتیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵  
ضرب کلیمہ

۵۲۹/۲۹	۴	معراج
۵۳۰/۳۰	۵	ایک فلسفہ زدہ ستیزاویں کے نام
۵۳۱/۳۱	۶	زمین و آسمان
۵۳۲/۳۲	۷	مسلمان کا زوال
۵۳۲/۳۲	۸	علم و عشق
۵۳۲/۳۲	۹	اجتناب
۵۳۲/۳۲	۱۰	شکر و شکایت
۵۳۵/۳۵	۱۱	ذکر و نکر
۵۳۶/۳۶	۱۲	ملائے حس
۵۳۶/۳۶	۱۳	تقدیر
۵۳۷/۳۷	۱۴	توحید
۵۳۸/۳۸	۱۵	علم اور دین
۵۳۸/۳۸	۱۶	ہندی مسلمان
۵۳۹/۳۹	۱۷	آزادی شمشیر کے اعلان پر

۵۰۶

ضرب کلیم

۶



۵۴۰/۴۰	۱۸	جسار
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاستِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زوہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	ہندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دلِ مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دو بارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	وہب
۵۵۰/۵۰	۳۰	نہار
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتیل و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی لروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلسفہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حشدا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافرو مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم!	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸  
ضرب کا یہ  
۸

۵۶۲/۴۲	۴۶	امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷	فہرست و راہی
۵۶۴/۴۴	۴۸	غزل (تیری ستارے حیات علم بہت کفر نور)
۵۶۵/۴۵	۴۹	تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰	تکستہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱	اسلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲	جہان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳	لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴	نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵	اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶	گلد اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷	اے پیرِ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸	مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹	مردِ سلمان

۵۷۴/۷۴	۶۰	پنجابی سلمان
۵۷۵/۷۵	۶۱	آزادی
۵۷۵/۷۵	۶۲	اشاعت اسلام فرستان میں
۵۷۶/۷۶	۶۳	لا و آلا
۵۷۷/۷۷	۶۴	امراتے عرب سے
۵۷۷/۷۷	۶۵	احکام الہی
۵۷۸/۷۸	۶۶	موت
۵۷۹/۷۹	۶۷	ششم باذن اللہ

## تعلیم و تربیت

۵۸۱/۸۱	۱	مقصود
۵۸۲/۸۲	۲	زمانہ حاضر کا انسان
۵۸۳/۸۳	۳	اقوام شرق
۵۸۴/۸۴	۴	آگاہی

۵۱۰

ضریب کلیم

۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پیرا
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان میپولی و صیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں ابھی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و فکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرتب خودی

۵۹۴/۹۴ ۱۹ مہمان عزیز

۵۹۴/۹۴ ۲۰ عصیر حاضر

۵۹۵/۹۵ ۲۱ طالب علم

۵۹۵/۹۵ ۲۲ آتھان

۵۹۶/۹۶ ۲۳ مدز

۵۹۷/۹۷ ۲۴ حکیم نطشہ

۵۹۷/۹۷ ۲۵ اساتذہ

۵۹۸/۹۸ ۲۶ خزل (بے گمنام منزل مقصود کا اسی کو سراغ)

۵۹۹/۹۹ ۲۷ دین و تسلیم

۶۰۰/۱۰۰ ۲۸ جاوید سے

عورت

۶۰۳/۱۰۳ ۱ مرد و فرناک

۶۰۴/۱۰۴ ۲ ایک سوال

۶۰۴/۱۰۴

۶۰۴/۱۰۴

۵۱۲

ضرب کلیم

۱۲



۳	پروہ	۶۰۵/۱۰۵
۴	حکومت	۶۰۵/۱۰۵
۵	عورت	۶۰۶/۱۰۶
۶	ازادی نسواں	۶۰۶/۱۰۶
۷	عورت کی حفاظت	۶۰۶/۱۰۶
۸	عورت اور تعلیم	۶۰۸/۱۰۸
۹	عورت	۶۰۹/۱۰۹

## ادبیات، فنون لطیفہ

۱	دین و ہنر	۶۱۱/۱۱۱
۲	تخلیق	۶۱۲/۱۱۲
۳	جسٹس	۶۱۳/۱۱۳
۴	اپنے شمرے	۶۱۴/۱۱۴
۵	پیرس کی مسجد	۶۱۵/۱۱۵

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ اُتیس
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ اُتیس
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہل شہرے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ تہ
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲

ضربِ کلیم

۱۲

۲۰	اقبال
۲۱	فنون لطیف
۲۲	صبح حسن
۲۳	حشاقانی
۲۴	رومی
۲۵	جست
۲۶	مرزا بیدل
۲۷	جلال جمیل
۲۸	مصور
۲۹	سرود جلال
۳۰	سرود حرام
۳۱	فواره
۳۲	شاعر
۳۳	شعر عجم

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۱/۱۳۱

۶۳۲/۱۳۲

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۴/۱۳۴

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۷/۱۳۷

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۹/۱۳۹

۶۴۰/۱۴۰	۳۴	نمونه سرور این چند
۶۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۶۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۶۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۶۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۶۴۳/۱۴۳	۳۹	ذوق نظم
۶۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۶۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۶۴۵/۱۴۵	۴۲	ضبط
۶۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

## سیاسیات مشرق و مغرب

۶۴۸/۱۴۸	۱	اشتراکیت
۶۴۹/۱۴۹	۲	کارل مارکس و لی آواز

۵۱۶  
ضرب کلیم

۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیاتِ اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خواجہ بکلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عنداموں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریا
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کد
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	انتداب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	وام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک بحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا



۶۶۹/۱۶۹	۳۱	نفسیاتِ علامی
۶۷۰/۱۷۰	۳۲	عسلاہوں کی نسا
۶۷۱/۱۷۱	۳۳	فاسطینی عرب سے
۶۷۲/۱۷۲	۳۴	شرق و عرب
۶۷۲/۱۷۲	۳۵	نفسیاتِ عالمی

## محراب گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	۱	میر کے نساں! تجھے چوڑے جاؤں کساں
۶۷۴/۱۷۴	۲	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
۶۷۵/۱۷۵	۳	تری دُعا سے قضے سنا تو بدل نہیں سکتی
۶۷۶/۱۷۶	۴	کیا چہرہ رخ کج رو، کیا مسر کیا ماہ
۶۷۸/۱۷۸	۵	یہ در سہ لٹھیل، یہ غوغا ہے روارو
۶۷۹/۱۷۹	۶	جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
۶۸۰/۱۸۰	۷	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان

۶۸۱/۱۸۱	۸	زراغ کست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
۶۸۲/۱۸۲	۹	عشق طینت میں سر و مایہ نہیں شل ہوس
۶۸۳/۱۸۳	۱۰	وہی جواں ہے قبیلے کی اگمہ کا تارا
۶۸۴/۱۸۴	۱۱	جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب و شب
۶۸۴/۱۸۴	۱۲	لا دینی و لاسینی، کس پیچ میں ابھٹا تو!
۶۸۵/۱۸۵	۱۳	مجھ کو تو یہ دُسیا نظر آتی ہے دلروں
۶۸۶/۱۸۶	۱۴	بے خبر آتشِ رندانہ ہر شق ہے بے باہی
۶۸۷/۱۸۷	۱۵	ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ
۶۸۷/۱۸۷	۱۶	قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
۶۸۸/۱۸۸	۱۷	آل اس کی ٹھونک مٹی ہے برنا و پیر کو
۶۸۹/۱۸۹	۱۸	یہ نکستہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
۶۹۰/۱۹۰	۱۹	نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
۶۹۱/۱۹۱	۲۰	فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے گنجبانی



علی حضرت نور محمد اللہ خاف منہ و امرواتہ بھوپال  
کی خدمت میں

زمانہ با ائمہ ایشیا چکر دو گز

کسے نہ بود کہ اس دستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگیر این ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

## ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ چوٹ  
تیرا زجاج ہونے کے کا عین بند  
یہ زبردست و ضربت کاری کسے مقام  
میدان جنگ میں نہ طلب کرنا ہے چنگ  
خون دل و جگر سے ہے طرہ حیات  
فطرت لہو ترنگ ہے عتفل ! نہ حل ترنگ



۵۲۲  
ضرب کلیم  
۲۲

# تہیہ



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری  
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی  
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنکامے  
بُرمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی  
ترمی نجات عنہم مرلے سے نہیں ممکن  
کہ تو خودی کو سمجھتے ہے پیکر خاکی  
زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا  
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپالی

عطا ہوا حسن و خاشاک ایسا مجھ کو  
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



ترکنت ہے قہرِ سببِ اس آرائی  
اگرچہ تُو ہے سببِ حالِ زمانہ کم پیوند  
جو لوگت رے کے ٹوکرے تھے اُن عینِ یوں کو  
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہلے بلند  
ترپ سے ہیں فضا ہلے سیکوں کے لیے  
وہ پر شدت کہ صحنِ سر میں تھے خورند  
ترمی سزا ہے نوائے سحر سے محرومی  
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲



# اسلام اور مسلمان

۵۲۵  
ضربِ کلیم  
۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## صباح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز  
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا  
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستانِ وجود  
ہوتی ہے بندہ مومن کی ازاں سے پیدا

---

\* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۲۶

ضربِ کلیم

۲۶

# لا الہ الا اللہ

خودی کا ستر نہاں لا الہ الا اللہ  
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ  
یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے  
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ  
کیا ہے تُو نے متاعِ سرور کا سودا  
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ  
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند  
بُتانِ وہم و گساں لا الہ الا اللہ  
بُخر و ہوتی ہے زمان و مکاں کی بُناری  
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پائند  
 بہارِ چو کہ خیزاں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں  
 مجھے ہے حکمِ اذان، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

## تن بہ تقدیر

اسی قُراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم  
 جس نے مومن کو بنایا مسدودِ پروں کا ایسہ  
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز  
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر  
 تھا جو تا خوبِ بتدیج وہی خوب نہوا  
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا میسر



## معراج

وے ولولہ شوق جسے لذت پرواز  
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج  
مشکل نہیں یارانِ چمن بہرِ کرباز  
پرسوز اگرچہ نفسِ سہینہ درِ دراج  
ناول ہے سلمانِ عرفا اس کا شہرِ تیار  
ہے سہرا پر وہ جانِ نکستہ معراج  
تو معنی و انجسہ نہ سمجھا تو عجب کیا  
ہے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا مستیاج



# ایک فلسفہ زدہ سید اے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا  
ہیکل کا صدف گھر سے خالی  
محکم کیسے ہو زندگانی  
آدم کو ثبات کی طلب ہے  
دنیا کی عشا چوبیس اشراق  
نہیں اصل کا خاص و مناساتی  
تو سید ہاشمی کی اولاد  
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں  
اقبال اگر چہ بے پیر ہے  
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز  
انجام خسرو ہے بے حضوری  
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت  
زنتاری برکس نہ ہوتا  
ہے اس کا طلسم سب خیالی  
کس طرح خودی ہو لازمانی  
دستور حیات کی طلب ہے  
مومن کی اواں بیدار تے آفاق  
ابا مرے لاتی و سناتی  
سیر می کف خال برہمنز  
پوشیدہ ہے ریشہ ٹائے دل میں  
اس کی رل رل سے باخبر ہے  
سن مجھ سے نیچتہ دل افز  
ہے فلسفہ زندگی سے فوری  
ہیں فوق عمل کے واسطے موت



دیں مسلکِ زندگی کی تقویم      دینِ سیرِ محمد و براءِ سیم  
دل و رخنِ مستدی بند      اے پورِ عشقِ زبوعلی چند

چوں دیدۂ راہ ہیں نداری  
قایدِ تشری بہ از بخاری

## زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں  
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسمِ بہارِ خزاں کا  
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ و لڑکوں  
اے سالک رہا نہ کر سود و زیاں کا  
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی  
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

\* فارسی اشعارِ حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقرین' سے ہیں

# مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات  
جو فقر سے ہے پیتر، تو نگر می سے نہیں  
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور و غسیور  
قلندر می مری کچھ کم سکندر می سے نہیں  
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے  
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں  
اگر جہاں میں مرا جو ہر اسٹ کار ہوا  
قلندر می سے ہوا ہے، تو نگر می سے نہیں

## علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن  
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

بندہ تھمیں وطن! اکرم کتابی نہ بن  
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!  
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات  
 علم مستام صفات، عشق تماثلے ذات  
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات  
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پرپناں جواب!  
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں  
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و نگین  
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں  
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحباب!  
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام  
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام  
 عشق پہ بے حلال، عشق پہ حاصل حرام  
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

## اجتہاد

چند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے کیجے  
نہ کہیں لذت کردار، نہ افکار عسقیق  
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں  
اے محکومی تفتلید و زوال تحقیق!  
خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں  
ہوئے کس درجہ فقیرانِ حرم بے توفیق!  
ان غلاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب  
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

## شکر و شکایت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا  
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

اک دولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو  
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند  
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں  
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند  
 لیکن مجھے پیدا کیا اس دس میں تو نے  
 جس دس کے بندے ہیں عن سلامی پر ضامنند

## ذکر و نکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام  
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظم الاسماء  
 مقام ذکر، کمالاتِ رومی و عطار  
 مقام فکر، مقالاتِ بوعلی سینا  
 مقام فکر ہے پیانشن زمان و مکان  
 مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

## ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو  
تری نلکہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام  
تری نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال  
تری اذال میں نہیں ہے مری خسرو کا پیام

## تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت  
ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی  
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں  
تقدیر نہیں تابع منطق و نطق ذاتی  
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو  
تاریخ اہم جس کو نہیں ہم بے چھپاتی

’ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی  
’بڑاں صفت تیغ دوپیکر نظر اس کی !

## توحید

زندہ ثبوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی  
آج کیا ہے، فقط الٰہ ستلہ علم کلام  
روشن اس ضو سے الرطمت کروار نہ ہو  
مخوسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام  
نہیں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے  
’قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام  
آہ! اس از سے اقف ہے نہ ’لا، نہ فقیہ  
وحدت افکار کی بے وحدت لڑا ہے خام  
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے  
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام !



## علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم  
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطس کا ندیم  
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک  
دلیل کم نطس سری قصہ جدید و قدیم  
چمن میں تربیت غنچہ ہونہیں سکتی  
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شراب نسیم  
وہ علم کم نصبری جس میں ہمکنار نہیں  
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم!

## چند میسلماں

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن  
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کدھر

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت  
 کہتی ہے کہ یہ مومنین پارسہ ہے کافر  
 آوازِ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے  
 مسکین و نلکم ماندہ دریں شکستہ اندر

## ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلمان کبھی تو نے  
 کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیر حکمروار  
 اُس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں  
 پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار  
 ہے منکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ  
 اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار  
 قبضے میں یہ تلوار بھی آجاتے تو مومن  
 یا حن اللہ جاننا ہے یا حیث در گزار

# جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کہ ہے  
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کار  
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟  
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر  
شیخ و تفنگ دست مسلمان میں ہے کہاں  
ہو بھی تو دل میں موت کی لذت سے بے خبر  
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل  
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر  
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی  
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر  
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے  
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰  
ضریحہ کلیم  
۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے  
 مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی شر  
 حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات  
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

## قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں  
 سو بار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک  
 تاریخ اٹم کا یہ پیام اذلی ہے  
 صاحب نظر ان بشہ قوت ہے خطرناک  
 اس سیل سب سیر و زمین کیسے کے اس کے  
 عقل و نظر و علم و ہنر ہیں حسن و خاشاک  
 لا دیں ہو تو ہے زہر ہلا ہل سے بھی بڑھ کر  
 ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

# فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے  
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم  
اس لی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابلی سے  
تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم  
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے غریب  
کھاکتی زوہر مندرلی کو ہوا سے زروسیم  
عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام  
کہ لہر غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



۵۴۲

ضرب کلیم

۴۲

# اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی  
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور  
یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصل نمود  
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے ستور  
لفظ اسلام سے یورپ کو البرکہ ہے تو خیر  
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فست' غیور

# حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی  
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے  
ہو اگر خودِ نلر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی  
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

# سُلطانی

کئے خبر کہ ہزاروں مستام رکھتا ہے  
دفعہ جس میں ہے بے پردہ روح قرانی  
خودی کو جب نبط سرائی ہے قاہری اپنی  
یہی مستام ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی  
یہی مستام ہے مومن کی قوتوں کا عیا  
اسی مستام سے آدم ہے غلِ سبحانی  
چیز بر وقہر نہیں ہے یہ عشق دوستی ہے  
کہ جب بر وقہر سے ممکن نہیں جہاں بانی  
لیا لیا ہے غلامی میں بستلا تجھ کو  
کہ تجھ سے ہونہ سکی فحش سر کی نگہبانی

---

\* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۴۲

ضرب کاظم

۴۴



مِثَالِ ماہِ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود  
 سرِ یدلی ہے سرنگی نے وہ سلما نی  
 ہوا حریفِ مر و آفتاب تو جس سے  
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

## صوفی سے

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا  
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا  
 تختِ بلاست کی دنیا غریب ہے لیکن  
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا  
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری  
 بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



# آفرینانِ زودہ



ترا وجود سراپا تحسینی است سرنگ  
کہ تو وہاں کے عمارت کردوں کی ہے تعمیر  
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حسالی  
فقط نسیم ہے تو، زنگار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود  
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا  
وجود کیا ہے، نقطہ جوہر خودی کی نمود  
کہ اپنی منکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۳۶

ضربِ کلیم

۲۶

# تصوف

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائق  
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں  
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور  
 تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں  
 یہ عسل جو مرہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار  
 شرابِ شورشِ پناہ نہیں تو کچھ بھی نہیں  
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل  
 دل و نگاہِ سداں نہیں تو کچھ بھی نہیں  
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری  
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

\* ریاض منزل (دولت کدہ سر اسس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

## چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت  
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد  
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو  
اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ  
اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل  
جا بیٹھ کسی عمار میں اللہ کو گریاؤ  
مسکینی و محکومی و نویسی جلاؤ  
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کو ایجاد  
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت  
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



# غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ  
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کُن کا چارہ  
ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟  
نہ ٹھنک ہے نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!  
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے  
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزدہ ستارہ  
ترسے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ بھرنے  
مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ  
نظر آتے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا  
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنزارہ



## دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی  
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے  
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ  
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے  
حق بات کو لیکن میں خُشپا لڑ نہیں رکھتا  
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

## نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں  
الرجہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات  
یہ ایک سجدہ ہے تو لڑاں سمجھتا ہے  
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

# وُحی

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں  
راہبر ہو وطن و تہذیب تو زبوں کار حیات  
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد  
سخت مشکل ہے کہ روشن پوشِ تار حیات  
خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکینہ  
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

## شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں  
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سرسبز سعود) بھوپال میں لکھے گئے



فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور  
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست  
کریم کشمکش زندگی سے، مردوں کی  
الرشکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

## عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی  
باہر نہیں کچھ عقل حسد اواد کی زد سے  
عالم ہے عین سلام اس کے بدل اُڑی کا  
اک دل ہے کہ ہر لحظہ ابھرتا ہے خرد سے

## مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال  
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفّار

شاعر کی نوا مُردہ و افشردہ و بے ذوق  
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار  
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ کو  
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

## قبر

مرد کا شبتاں بھی اُسے رس نہ آیا  
 آرام و تسلندر کو تہِ خاک نہیں ہے  
 خاموشیِ اندک تو ہے قبر میں لیکن  
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



# قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو  
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا  
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ  
پختا ہوا ہنگامہ قلندر سے کُزر جا  
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا  
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا  
توڑا نہیں جاؤ و مری تلبسیر نے تیرا؟  
ہے تجھ میں مگر جانے کی جرات تو مگر جا

مہر و مسد و انجم کا محاسب ہے قلندر  
ایام کا مرکب نہیں، رالکب ہے قلندر



۵۵۲

ضرب کلیم

۵۲

# فلسفہ

افکارِ جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں  
 پوشیدہ نہیں مروتِ سندر کی نظر سے  
 معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی  
 مدت ہوئی گزرا تھتا اسی راہ گزر سے  
 الفاظ کے پتھوں میں اُبھرتے نہیں انا  
 خواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے  
 پیدا ہے فقط حلفتِ اربابِ جنوں میں  
 وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے  
 جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل  
 قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے  
 یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفت  
 جو فلسفہ لکھا نہ کیا خونِ جگر سے

## مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ خُرجیں کی ضرب ہے کاری  
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری  
ازل سے فطرتِ اصرار میں ہیں دوشِ بدوش  
قلندرِ وقبِ پوشی و کلداری  
زمانہ لے لے کے جسے آفتاب کرتا ہے  
انہی کی خال میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری  
وجود انہی کا طوائفِ بتاں سے ہے زاو  
یہ تیرے مومن و کافر تمام زمار میں!

## کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہ پاؤں مجھ سے خُرنے  
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

الگ تہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند  
 نرندہ و صیقل زدہ و روشن و براق  
 کافر کی یہ چپان کہ افاق میں لم ہے  
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افاق!

## مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس  
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افراتک کے سیار  
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں  
 نے جدستِ گرفتار ہے نے جدتِ لروار  
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ  
 شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار  
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت  
 جو جس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفت تریا راں تو بریشم کی طرح نرم  
رزیم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن  
افدال سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش  
خالی سے ملد نہ کال سے آزاد ہے مومن  
بچتے نہیں لٹچٹک و حمام اس کی نظریں  
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن  
خوروں کو شکایت ہے کہ امیر ہے مومن

\* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸



## محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر  
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات  
اس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم  
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات  
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں آزاد  
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

## تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا کے کن فکاں! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر  
آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا  
ہاں مگر تیری شہیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری تجلی سے کمالاں جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سلکھلائی ہے یہ حجت اے  
کہتا ہے تیری شہیت میں نہ تھا میرا سجود  
دے رہا ہے اپنی ازادی کو مجسوسی کا نام  
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



## اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا قلتِ مرحوم کا اتر  
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!  
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں  
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے  
چرچند ہے بے قافلہ و راعلہ و زرا  
اس کوہ و سیاہاں سے خدی غم ان کدھر جائے  
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ  
ایاتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

## مدنیتِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے  
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب  
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!  
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا ہے بے نزاری  
 نہ اس میں عسکریں کے فسانہ و افسوں  
 حستِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی  
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!  
 عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال  
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ رُخسار!

## امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے  
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کے  
 ہے وہی سیرے زمانے کا امامِ برحق  
 جو تجھے حاضر و موجود ہے بے نزاری کے

۵۶۲  
 ضربِ کاہنہ  
 ۶۲

موت کے آتے میں تجھ کو دکھا کر رنج و دوست  
 زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے  
 دے کے احساسِ زیاں یہ اللہ کرے  
 ففتہ کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے  
 فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی  
 جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

## فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی  
 تری نگاہ میں ہے ایک فہستہ و رہبانی  
 سکوں پرستی راہب سے فقر ہے پسینہ  
 فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی  
 پسند روح و بدن کی ہے و انمود اس  
 کہ ہے نہایت مومن خودی کی عیسانی

وجود صیر فی کائنات ہے اُس کا  
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فنا  
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ  
 جہاں ہے یا کہ فقط رہا ہو کی طغیانی  
 یہ فتنہ مردِ سماں نے لھو دیا جب سے  
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

## غزل

تیری متاعِ حیات علمِ نہایت کا سرور  
 میری متاعِ حیات ایک دلِ جاںسوز  
 معجزۂ اہلِ شکر و سفیہ پیچ پیچ  
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمران و طور  
 مصلحت کہہ دیا میں نے مسلمان تھے  
 تیرے نفس میں نہیں کرمی یومِ انشور

۵۶۴

ضربِ کلیم

۶۴

ایک زمانے سے ہے چال کر سیاں مرا  
 تو ہے ابھی پوش میں سے جنوں کا قصوہ  
 فیض نظر کے لیے ضبط سخن چاہیے  
 حرف پریشاں نہ کہ اہل نظر کے حصوہ  
 خوار جاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم  
 عشق ہو جس کا جنوہ فقر ہو جس کا غیوہ

## تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکتہ چید ہے پیدا  
 نو دوں کو بھی احساس ہے ہناتے فضا کا  
 ظلمت کدہ خاک پیش کر نہیں رہتا  
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا  
 فطرت کے تحت اضموں پہ نہ کر راہ عمل بند  
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا



جرات ہونو کی تو نصرت تک نہیں ہے  
اے مرد خدا، ملک خدا تک نہیں ہے!

## نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید اتو سکتا ہے  
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے  
وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لالہ میں ہے  
طریق شیخ فقیر سا نہ ہو تو کیا کہیے  
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے  
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے  
جہاں میں بندہ خُبر کے مشاہدات ہیں کیا  
ترمی نگاہ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے  
مقامِ فخر ہے کتنا بلند شایہ  
روش کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

## الہام اور آزادی

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام  
ہے اس کی نیک فکر و عمل کے لیے ہمیز  
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر ہے ایسی  
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر امیز  
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بسل میں نمودار  
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغِ غنِ سحر خیز  
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت  
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ جسم و پر ویز  
محکم کے الہام سے اللہ بچائے  
غارتِ کراواتِ ام ہے وہ ضرور تپ چنکیز



## جان و تن

عقل مدت سے ہے اس بیچاک میں الجھی ہوئی  
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے  
سیری شکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ  
تیری شکل سے ہے ساغر کے ساغر سے ہے  
ازب با حروف و معنی، ختمت ملاط جان و تن  
جس طرح ہنکرت بپوشش اپنی خاکستر سے ہے

## لاہور و کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور  
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر  
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ  
قد و قیمت میں ہے نوحوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں  
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

## نبوت

میں نہ عارف، نہ مجتہد، نہ محدث، نہ فقیہ  
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام  
ہاں، مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نظر  
فائنس ہے مجھ پر یہ ضمیرِ فلک نیلی فام  
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے  
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام  
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش  
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طالع بود و عدم، جس کا نام ہے آدم  
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن  
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے جو سفر  
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن  
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں  
تو جو حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہب اور جلیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوتی عام  
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم  
تفنیقِ عقل حکمتِ افزائش کا مقصود  
اسلام کا معنی صرف و فقط ملتِ آدم

۵۶۰  
ضربِ کلیم

کئے نے دیا خال حبیب کو یہ پیام  
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

## اے پیرِ حرم

اے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہ چھوڑ  
مقصودِ سبجہ میری نوائے تحسری کا  
اللہ رکھے تیرے جانوں کو سلامت!  
وے ان کو سبقِ خود شکنی، خود زلمی کا  
تو ان کو سکھا غارِ اشکانی کے طریقے  
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کرمی کا  
دل توڑ گئی ان کا دوسریوں کی غلامی  
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا  
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار  
مجھ کو بھی جلد وے مری آشفۃ سری کا

## مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف  
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو  
مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی  
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو  
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار  
نومید نہ کرا چوئے مشکیں سے ختن کو  
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں  
یا چاک کریں مَرَدِ ناداں کے کفن کو؟





## مرد مسلمان

پھر خط ہے مومن کی نئی شان، نئی آن  
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!  
قتاری و غفاری و قدوسی و جبروت  
یہ چار عناصیر ہوں تو بتا ہے مسلمان  
ہمسایہ چربیل امیں بسندۂ خالی  
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان  
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن  
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!  
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے  
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان  
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم  
دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز  
 اہنک میں سکتا صفت سورۃ رحمن  
 بنتے ہیں مری کار کبریا میں اہم  
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

## پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت  
 کرے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد  
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا  
 چو کھیل مریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد  
 تاویل کا پھنس را کوئی صیاد لگا دے  
 یہ شاخ نشین ہے اترتا ہے بہت جلد



۵۴۲

ضرب کلیم

۷۲

## ازادی

ہے کس کی یہ خبرات کہ مسلمان کو ٹوکے  
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد  
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس  
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صلیب آباد  
شران کو باز چہ تاویل بتا کر  
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا  
ہے مملکت چند میں الٹے تماش  
اسلام ہے محبوب اس مسلمان ہے ازاد

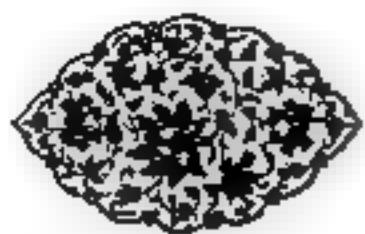
## اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی  
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب یہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں  
 قبول دین سچی سے برہمن کا مقام  
 اگر قبول کرے دین مصطفیٰ، انگریز  
 سیاہ روز سب سماں رہے کا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا  
 سفر خالی شہستان سے نہ کر سکتا الروانہ  
 نہ ساد زندگی میں است 'لا'، انتہا 'الا'  
 پیام موت ہے جب 'لا' ہوا 'الا' سے بیگانہ  
 وہ ملت روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی  
 یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیانہ



## اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خیر است گفتار  
المر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی!  
نیکی تہ پہلے سلجھایا لیا کس امت کو؟  
وہ سال مصطفویؐ، استہراقِ بولہبی!  
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا  
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

## احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!  
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرومست

❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک ان میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر  
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی غور نہ  
 تقدیر کے پاسبان بات جہاد است  
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

## موت

لحہ میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے  
 اگرچہ زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے  
 مر و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس  
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے  
 فرشتہ موت کا چھوٹا ہے کو بدن تیرا  
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



# شمِ باذنِ اللہ

جہاں اگرچہ لکڑوں ہے شمسِ باذنِ اللہ  
وہی زمین، وہی لکڑوں ہے شمسِ باذنِ اللہ  
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے  
ترمی رکوں میں ہی خوں ہے شمسِ باذنِ اللہ  
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا  
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے شمسِ باذنِ اللہ





سعود (Saud) (برہنہ)

سچو را

نظر حیات سچو را سچو را سچو را  
حیات کا ہے؟ حضور کو اور دلوں کو دور!

ملاطول

نگاہ موت میرا ہے سچو را سچو را  
حیات ہے بڑا ملاطول میرا سچو را سچو را

حیات خود سچو را انسان سچو را  
مفط محمدی ہے حمدی کا لفظہ کا حضور!

# تعلیم و تربیت

۵۸۱  
ضرب کاہیم  
۸۱

مقصود

(سینورا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد دانش مند  
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد دانش مند  
حیات ہے شب تاریک میں شر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق  
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مستصود

\* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲  
ضرب کلیم  
۸۲

## زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرومیلنوش صورت مار  
عقل کو تابع و فرمان نطسہ کرنے سکا  
ٹھونڈے والے ستاروں کی لڑکاہوں کا  
اپنے افکار کی دنیا میں غم کرنے سکا  
اپنی جھمت کے جسم و بیچ میں ابھرا ایسا  
آج تک و نہی صمد نفع و خسہ کرنے سکا  
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا  
زندگی کی شب تاریک سمجھ کر نہ سکا!

## اقوام مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہت اتق ان کو  
انکھ جن کی ہوتی محکومی وقت سید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو لیونکر  
یہ فرنگی مذتیت کہ جو ہے خود لب کو را

## آگاہی

نظر سپہر یہ رکھتا ہے جو تارہ شناس  
نہیں ہے اپنی خودی کے معتم سے آگاہ  
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا  
وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ  
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم  
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

## مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیان سامری فن سے  
کہ بزم خاوراں میں لے لے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲

ضرب کلیم

۸۶

نستی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیب وامن میں  
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

## مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربت کی تہذیب  
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف  
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید  
ضمیر پاک خوب الٰہیت و ذوق لطیف

## اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی  
جو جس کے جانوں کی خودی صورتِ فولاد  
ناچسبز جہانِ مرد و پرویں ترے آگے  
وہ عالم مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی تپش کیلئے فقط ذوق طلب ہے  
 پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ  
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا  
 پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ مفت

## سلطان ٹینیو کی وصیت

تُو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول  
 لیلی بھی ہم شیں ہو تو حاصل نہ کربول  
 اے جو تے اب بڑھ کے ہو دریائے شند تہیز  
 ساحل تجھے عطا ہو تو حاصل نہ کربول  
 کھویا نہ جا صدم کدہ کائنات میں  
 محسن کدہ ازاں کر می محسن نہ کربول  
 صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے  
 جو عمتل کا نام ہو وہ دل نہ کربول



باطل دُوتی پسند ہے، حق لاشریک ہے  
شرکت سب سے حق و باطل نہ کر قبول!

## غزل

نہ میں اُجسی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی  
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں کے بے نیازی  
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر  
تراویں نفس شماری مرادیں نفس کدازی  
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت  
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی  
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا  
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی  
نہ جدار ہے نوا کرتے تپ ندکی سے  
کہ ہلاکی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

## بیداری

جس بندہ حق میں کی خودی ہو گئی بیدار  
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق  
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار  
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق  
اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں سمجھو  
ثوبندہ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق  
سمجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی  
وہ پالی فطرت سے ہوا محرمِ اساق

## خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف  
کہ نشتِ خاک میں پیدا ہوا تپشِ سوز

یہی ہے سترِ کھیمی ہر اک زمانے میں  
ہوا تے دشت و شعیب و شبانی شب و روز!

## آزادی منکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی  
رکھتے نہیں جو منکر و تدبیر کا سلیقہ  
جو منکر اگر حرام تو آزادی افکار  
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

## خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فست بھی شہنشاہی  
نہیں ہے سنجیر و طغزل سے کم شکوہ فقیر  
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا  
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد  
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

## حکومت

ہے مریدوں کو تو حق بات کو ادا لیکن  
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات  
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستراحِ کردار  
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات  
گرچہ اس دیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم  
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و مینا کو ثبات  
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا  
انگلیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

❖ ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

# ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا  
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات  
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے  
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات  
آزاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال  
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات  
آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت  
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرلِ مفاہات  
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور  
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات  
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا  
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی  
موسیقی و صورت کمری و علم نباتات!

## تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے  
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ  
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے  
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ  
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نظر  
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!  
شیخِ مستجب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں  
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



## خوب زشت

ستارگانِ فضا ہستے نیلوں کی طرح  
تختِ بلاست بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب  
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب  
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب  
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جہیل  
جو ہوشیہ میں پیدا، تبیح و نامحبوب!

## مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغرب کا اندر وں بے نور  
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام  
خودی کی موت سے رُوحِ عربیہ بے تہ و تاب  
بدنِ سراق و عجبم کا ہے بے عروق و عظام



خودی کی موت سے چندی شکستہ بالوں پر  
 قفس ہوا چہ لال اور آشیانہ حرام  
 خودی کی موت سے چہ حیرم ہوا مجبور  
 کہ بیچ کھاتے مسلمان کا جسم احرام

### مہمان عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدر سے والوں کا ضمیر  
 خوب ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز  
 چاہیے حسانتہ دل کی کوئی منزل حلالی  
 شاید آج بڑے کہیں سے کوئی مسافر عزیز

### عصر حاضر

پنخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی  
 اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲

ضرب کلیم

۹۲

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر  
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام  
مُروہ، لاوینی افکار سے افرنگ میں عشق  
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

## طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے  
کہ تیرے بھری موجوں میں اضطراب نہیں  
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو  
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

## امتحان

کہا پس پاڑ کی ندی نے سنگینے سے  
فتاد کی وسرافلت کی تری مسراج!

ترا یہ حال کہ پامال و درہند ہے تو  
مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج  
جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا  
کنے خبر کہ تو ہے سنب خار و یا کہ زجاج!

### مد رسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے  
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش  
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا  
زندگی موت ہے، لکھو دیتی ہے جب فوقِ خراش  
اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا  
جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہانے نہ تراش  
فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا  
جس میں لکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ حقّاش

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو  
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

## حکیم نطشہ

حریف نکلتے توحید ہو سکا نہ حکیم  
ہنگامہ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے  
خدا ناسپینہ کروں ہے اس کا فکر بلند  
کنند اس کا تخیل ہے مہر کے لیے  
اگرچہ پاک ہے طہنت میں ابھی اس کی  
ترس ہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے

## اساتذہ

مقصود جو الرتبیست لعل بدخشاں  
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُتیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت  
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک و دو!  
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت  
 وہ نہستہ و مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

## غزل

مے کا منہ نزل مقصود کا اسی کو سراغ  
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ  
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو  
 نہیں ہے بندہ خمر کے لیے جہاں میں سراغ  
 فروغ معنہ بیان یہ کر رہا ہے تجھے  
 ترمی نطنہ کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ  
 وہ بزمِ عیش ہے مہمان یک نفس و نفس  
 چمک ہے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ

۵۹۸

ضربِ کلیم

۹۸

کیا ہے تجھ کو گستاخوں نے کور ذوق اتنا  
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ

## تعلیم دین و دین

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز  
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و لراف  
اور یہ اہل کلیسا کا نطنِ تعلیم  
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف  
اُس کی تفتدیر میں سکومی مطنِ دومی ہے  
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف  
فطرتِ افراد سے غمِ باطن بھی لڑیتی ہے  
کبھی کرتی نہیں ملتے گناہوں کو معاف



# جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ  
 دربارِ شہنشی سے خوشتر  
 لیکن یہ دورِ ساعری ہے  
 سرچشمہ زندگی ہوا خشک  
 حنائی اُن سے ہوا دستاں  
 جس لہر کا مگر چراغ ہے تُو  
 جوہر میں چولا لالہ تو کیا خوف  
 شاخ گل پر چپکے لیکن  
 وہ جس پر ہے آدمی کہ جس کا  
 دہشتاں اگر نہ ہو توں اس  
 "غافلِ منشینِ وقتِ بازیست  
 ہے اس کی نہاد کا منہ  
 مردانِ خدا کا استانہ  
 انداز ہیں سب کے جاوید  
 باقی ہے کہاں سے شبانہ  
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ  
 ہے اس کا مذاق عارفانہ  
 تعالیم ہو کو فتنہ گیانہ  
 کہ اپنی خودی میں آشیانہ  
 چھڑے ہے بحرِ بیکرانہ  
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ  
 وقتِ نینہ است و کار سازیست

ضربِ کلیم





سینے میں اگر نہ ہو دل کرم  
 پنچیر اگر ہو زیر یک چوچست  
 ہے اب حیات اسی جہاں میں  
 غیرت کے طریقے مستحق  
 اے جان پد انہیں ہے ممکن  
 نایاب نہیں متاع نفست  
 ہے میری بساط کیا جہاں میں  
 اک صدق مقال ہے کہ جس سے  
 اللہ کی دین ہے جسے دے  
 اپنے نو لٹنہ سے کیا خوب  
 فرماتے ہیں حضرت نطستامی

”جاے کہ بزرگ بایست بو  
 فرزند ہی من ندارد سو“





مومن یہ کراں ہیں شب و روز  
 ناپید ہے بندہ عمل مست  
 باقی ہے منقذ نفس و رازی  
 جس فقر کی اصل ہے حجازی  
 اللہ کی شان بے نیازی  
 اس فقر سے آدمی میں پیدا  
 ہے اس کا مقام شاہبازی  
 بے سہرہ نوع علی و رازی  
 کج شک و حام کے لیے موت  
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی  
 روشن اس سے حسرت کی انھیں  
 حاصل اس کا شکوہ محمود  
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی  
 تیری دنیا کا یہ فہر ایل  
 درپردہ تمام کار سازی  
 ہے اس کی نگاہ عالم اشوب  
 یہ فقر غیور جس نے پایا  
 بے تیغ و سناں ہے مرو غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری  
 اللہ سے مانگ فقیہی



۶۰۲

ضرب کلیم

۱۰۲

# عورت

۶۰۳  
مغربی کالج  
۱۰۳

## مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا  
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں  
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں  
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں  
فساد کا ہے منہ نلی معاشرت میں ظہور  
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

## ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے  
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضرب کاہم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال  
مرد بے کار و زن تہی آغوش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہریریں نے  
خدا یا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے  
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے  
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے  
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم  
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو خلوت کی جوس نے  
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مگر

بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے  
 چو جاتے ہیں افکار پرالسنده و ابتر  
 اغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے  
 وہ قطرۂ نیساں کبھی غبتا نہیں لوہر  
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر، لیکن  
 خلوت نہیں اب دیر حرم میں بھی میسر!

## عورت

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ  
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز و دروں  
 شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی  
 کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ محنوں  
 مکالماتِ فلاطون نہ بلکہ سکس لین  
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

## ازادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا  
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند  
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی مقرب  
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند  
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش  
مجبور ہیں معذور ہیں، مردانِ خرد مند  
کیا چیز ہے آتشِ قیمت میں زیادہ  
ازادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند

## عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے ستور  
کیا سمجھے گا وہ جس کی زلوں میں ہے لہو سرد



نے پروہ، نہ تسلیم، نہی چو کہ پُرانی  
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد  
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا  
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

## عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت  
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت  
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن  
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت  
بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن  
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



## عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر  
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو  
راز ہے اس کے پیچم کا یہی نکتہ شوق  
اتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود  
کھلتے جاتے ہیں اسی اک کے اسرار حیات  
کرم اسی اک کے ہے سرکہ بود و نبود  
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غم ناک بہت  
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



۶۱۰  
مضرب کا پیم

[illegible]

ادبیات

فنون لطیف

ضرب کلیم

## دین و دُہنر

سرود و شعور سیاست، کتاب و دین و دُہنر  
گنہر ہیں ان کی کردہ میں تمام بیت و آنہ  
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی  
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ  
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات  
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ  
ہوتی ہے زیر فلک اُمتوں کی رسوائی  
خودی سے جب ادب و دین ہوتے ہیں بیگانہ



# تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود  
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا  
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے  
اس ابھو سے کیے بحربے مراں پیدا  
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے  
جو نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا  
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں  
ہوا نہ کوئی حسدائی کا رازواں پیدا  
ہوا تے دشت سے بولے رفاقت آتی ہے  
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



## جنوں

نُجسِ کج کر کی دُکھاں شاعری ملاتی  
ستم ہے خوار پھرے دشتِ در میں دیوانہ  
کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں  
کریں اگر اسے کوہِ دگر سے بیگانہ  
ہجومِ مدر سے بھی سازگار ہے اس کو  
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے دیوانہ

## اپنے شعر سے

ہے جگہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا  
تو جوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش  
شعلے سے ٹوٹ کے مثل شرِ آوارہ نہ رہ  
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!



## پیریں کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ پر کر کو کیا دیکھے  
کہ حق سے یہ حرمِ حرمِ نبوی ہے بیگانہ  
حرمِ نسیمیں ہے فرنی کرشمہ بازوؤں نے  
تن حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بیتِ خانہ  
یہ بیت کد آنھی غارت گروں کی ہے تعمیر  
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

## ادبیت

عشق اب پیڑی عقلِ حسدِ ادا کرے  
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے  
گنہگار میں نئی رُوح کو آباد کرے  
یا لہن رُوح کو تفتلید سے آزاد کرے

## ننگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی  
 شبابِ مستی و ذوقِ سرور و عنائی  
 اندھیری است میں یہ چشکدیں تاروں کی  
 یہ بحر، یہ فلکِ نیلوں کی پہنائی  
 سفرِ عروسیں قمر کا عساری شب میں  
 طلوعِ مہر و سلوکِ سپہرِ سینائی  
 ننگاہ ہو تو بہ سالتے نظارہ کچھ بھی نہیں  
 کہ یہ سچتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



\* ریاضِ منسزل (دولت کدہ سرا اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶  
ضربِ کاہمہ

۱۱۶

# مسجدِ قوتِ الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی  
'لا الہ' مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود  
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو  
کہ ایازمی سے دگرگوں ہے مقامِ مستود  
کیوں سماں نہ نخل ہو تری سنگینی سے  
کہ غلامی سے ہوا مثلِ زرجاج اس کا وجود  
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز  
جس کی تنگی میں ہو سر لہ بود و نبود  
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لذت  
بے تابِ دروں میری صلوٰۃ اور درود  
ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی نہ شکوہ  
کیا لو ارا ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

# تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود  
حیات کیا ہے، اسی کا سرور و سوز و شبات  
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مہم  
اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات  
حریم تیرا، خودی غیری کی ہے اس کا  
دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لالت و منات  
یہی کمال ہے تیشیل کا کہ تُو نہ رہے  
رہا نہ تُو تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸  
ضربِ کلیمہ  
۶۱۸

# شعار اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام  
دُنیا ہے عجب چیز، کبھی صبح کبھی شام  
مدّت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں  
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہرِ ایام  
نے ریت کے دُڑوں چپکنے میں ہے رات  
نے مثلِ صبا طوفِ گلِ لالہ میں آرام  
پھر میرے تجھے بستی لہو دل میں سما جاؤ  
چھوڑو چمنستان و سیلابان و روبام



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں  
 بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم انوش  
 اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں مسکن  
 افزائش سینوں کے دھویں کے یہ پوش  
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم  
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش  
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے  
 اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگہ خور  
 آرام سے فارغ، صفتِ جوہر سیاب  
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو  
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

۶۲۰  
 ضربِ کلیمہ

۱۲۰

چھوڑوں کی نہ میں چند کی تاریک فضا کو  
 جب تک نہ اٹھیں غائب سے مدد ان لراں غائب  
 خاور کی امیدوں کا یہی خال کے مرکز  
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب  
 چشم مڑے پرویں ہے اسی خال کے روشن  
 یہ خال کہ ہے جس کا خرف ریزہ درباب  
 اس خال کے اٹھے ہیں وہ خواص سانی  
 جن کے لیے ہر برپا شو کے پایاب  
 جس سانے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں  
 محفل کا وہی ساز ہے بیکانہ مضرب  
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن  
 تفت دیر کو روتا ہے مسلمان تہ محراب  
 مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب کے حذر کہ  
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرا



# امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں  
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود  
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور  
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و شکر و جذبِ سرود  
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی  
 اسی جلال سے لبِ برہنہ چمکے وجود  
 یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں  
 کہ مردِ حق چو گرفتارِ حاضرِ موجود  
 غمِ سینہ چو کہ بہستِ دور میں ابھی باقی  
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپرِ لبود

\* ریاضِ سنزل (دولت کدہ سر اسٹور) بمبھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲  
 ضربِ کلیم  
 ۱۲۲

# نگاہ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا  
کہ دڑے دڑے میں ہے ذوق آشکارائی  
کچھ اور ہی نطنس آتا ہے کاروبار جہاں  
نگاہ شوق اگر ہوشِ شریکِ بینائی  
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فتنہ زند  
ہوئے جہاں میں سزاوار کارِ نمرائی  
اسی نگاہ میں ہے ستاہری جستاری  
اسی نگاہ میں ہے بوسری و عرنائی  
اسی نگاہ سے ہر دڑے کو جنوں میرا  
سکھارہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پریائی  
نگاہ شوق میتِ نرس میں اگر تجھ کو  
ترا وجود ہے قلبِ وطن کی رسوائی

# اہلِ مہر سے

مہر و مہر شتری چند نفس کا سرور  
عشق سے ہے پائدار سیر غمی کا وجود  
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال  
تنگ سے تیرے لیے سرخ و سپید کیوں  
تیری خودی کا غیاب کہ ذکر و فکر  
تیری خودی کا حضور عالم شعر و سرور  
روح الہی تیری رنج غلامی سے نزار  
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجود  
اور الہامیہ اپنی شرافت سے ہو  
تیری سپہ انس و جن، تُو ہے اسیٰ محبوب



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۴

# غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک  
ساحل کی سوغات! خار و خس و خال  
میرے شرر میں بجلی کے جوہر  
لیکن نیستان تیرا ہے نم نال  
تیرا زمانہ، تاثیر تیری  
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک  
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے  
جس نے سسے ہیں تفت تیرے چال  
کاٹل وہی ہے رندی کے فن میں  
مستی ہے جس کی بے مشقت تال  
رکھتا ہے اب تک میحانہ شرق  
وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اور اک

اہلِ نطنس میں یورپ سے نومبر  
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

## وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شلِ شرّ تیری نمود  
کون سمجھاتے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود  
گر شہر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر  
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود  
مکتبِ دے کہ ہر جزوِ رس نہوں بندہ  
بودن آموز کہ ہر ہشی و ہسم غمِ اہی بود

## سرود

ایاکساں سے نالہ نے میں سرورے  
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبے

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے  
 کیوں اس کی اک نگاہِ الثقی ہے تخت کے  
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات  
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے  
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں  
 چھتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و زے  
 جس روز دل کی رمزِ بُغی سبھی کسب  
 سمجھو تمام مرحلہ ہاتے ہنر ہیں طے

## نسیم و نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی  
 کرتی رہی میں سپرین لالہ و گل چال

مجبور ہوتی جباتی ہوں میں ترک وطن پر  
 بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طرب نال  
 دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محرم  
 خالِ چمنِ اچھی کہ سرِ پر وہ افلاک !

شبِ بنم  
 کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک  
 گلشن بھی ہے ال سترِ سرِ پر وہ افلاک

## اہرامِ مصر

اس دشتِ جلالت کی خاموش فضا میں  
 فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر  
 اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں اندال  
 کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر !

۶۲۸

ضربِ کلیم

۱۲۸



فطرت کی غلامی سے کراؤ نہ ہو  
صیاد ہیں مردانِ مہر مست کہ نچیرا

## مخلوقاتِ پُنیہ

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ ہنر کی تعمیر  
فاش ہے چشم تماشا پہ نہاںِ حنائیہ  
نہ خودی ہے نہ جہاںِ سحر و شام کے دور  
زندگانی کی حریت نہ کشاکش سے نجات  
آہ، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صہم  
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے پوتے لات و منات  
تو ہے میت، یہ مہر تیرے جنازے کا امام  
نظر اتی جسے مرشد کے پستیاں میں حیات



# اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنا  
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش  
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر  
اک مروت سندر نے کیا رازِ خودی فاش!

## فنون لطیفہ

اے اہلِ نطنسہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن  
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطنسہ کیا  
مقصودِ ہوشِ سوزِ حیاتِ ابدی ہے  
یہ ایک نفس یا دو نفسِ مثلِ شرر کیا  
جس سے دل دریا مُشتِ لاطم نہ ہو  
اے قسطِ قریباں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۶۳۰  
ضربِ کلیم  
۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو  
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا  
 بے محبہ و دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں  
 جو ضربِ کلیدی نہیں رکھتے اس وہ ہنر کیا!

## صبحِ چمن

### پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا  
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

### شبِ نیم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن  
 یہ نکتہ کہ فردوں سے زمین دُور نہیں ہے

صبح

مانندِ صحنِ کستان میں قدم رکھ  
اے تیرا پا کو ہر شمسِ تو نہ ٹوٹے  
ہو کوہِ دیباہاں سے ہم اغوشِ لبیک  
ہاتھوں سے ترے امین انداک نہ ٹھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شمعِ عراقین، اربابِ نطنس کا قرة العین  
ہے پردہ شگافِ اس کا اور اک پردے ہیں تمام چاک و رچاک  
خاموش ہے عالمِ معانی کہتے انہیں حرفِ لہنِ تمنا  
نوحہ اس کے یہ خال اس کے کیا چیز ہنگامہ این اس ہے کیا چیز  
وہ محرمِ عالمِ مکافات اک بات میں کہہ لیا ہے سوا

خود بوبے چنیں جہاں تو ان بُرو  
کابلے بسا ندو بوالبشر مُردا

۶۳۲  
ضربِ کلیم  
۱۳۲

## رومی

غلط نہ کرے تری چشم نیم باز اب تک  
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک  
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک  
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک  
کستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک  
کہ تُو ہے نعمتہ رومی سے بے نیاز اب تک!

## جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نظر سے  
اس لاک منور چوں تیرے نورِ حسرت سے  
خورشیدِ کمرے کسبِ ضیاء تیرے شر سے  
ظاہر تری تفتدیر ہو سیکے تیرے

دریا مُستِ لاطم ہوں تیری موج کھر سے  
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ مہنر سے  
اغیار کے افکار و تختِ سیل کی لدائی  
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

## مرزا ابیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کافساد  
یہ زمین، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چرخِ کبود  
کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے  
کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود  
میرزا ابیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ کرہ  
اہلِ حلت پر بہت مشکل رہی بس کی نشو و  
”دلِ اکر میداشت و سحت بے نشان ہو این چمن  
زنا کے میر و شست از بسکہ دنیا تناب ہو“

۶۳۲

ضریحِ کلیم

۱۳۶۲

# جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی  
ترے نصیبِ فلاطوں کی تیزی اور اک  
مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی  
کہ سر بسجود ہیں قوس کے سامنے افلاک  
نہ جو بلال تو حسنِ جمالِ بے تاثیر  
زنا نفس ہے الغنم نہ آتشِ ناک  
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ واک  
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و ببال

## مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوئی مرکبِ تخیل  
چندی بھی نہ رہی کا مستند عجمی بھی



مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ  
 لکھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی  
 معلوم ہیں اے مردِ سنہ سیر کے کمالات  
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی  
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے  
 آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی

## سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مفتی کے ہم زیرِ دل  
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی نشو و  
 ہے ابھی سینہ افلاک میں سپاس دہ نوا  
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود  
 جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف کے پاک  
 اور پیدا ہو ایاز می سے مست ہم محمود

۶۳۶

ضربِ کاہم

۱۳۶

مر و انجسم کا حیات کدہ باقی نہ رہے  
 تھوڑے اور ترا زمزم سے لا موجود  
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیر سانجی دی  
 منتظر ہے کسی سب سے کا ابھی تک وہ سرود

## سرد و حرام

نہ میرے فکر میں ہے ضو فیوں کا سوز و سرور  
 نہ میرا فن کرے پیمانہ ثواب و عذاب  
 خدا کرے کہ اسے تمنا بق ہو مجھے  
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب  
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام  
 حرام میری نگاہوں میں نئے چنک و رباب



۴۳۷  
 ضرب کا لیم  
 ۱۳۷

## فوارہ

یہ آبِ حیات کی روانی، یہ سبکداری خال  
مری نگاہ میں ناخوش ہے یہ نطسارہ  
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جوانِ عزیز  
بلند زور دروں سے ہوا ہے فوارہ

## شاعر

مشرق کے نیستیاں میں ہے محتاجِ نفس نے  
شاعرِ بے ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے  
تا شیریں لہامی سے خودی بس کی ہوتی نرم  
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجب کسی  
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سب ہو  
ششیر کی مانند تہو یہ سب ہی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے  
 ہے جس کے ہاتھ آتے جہاں تختِ جسم و  
 چرطنہ نسیا طور، نہی برق تحسلی  
 اللہ کرے جس سے شوق نہ ہو طے!

## شعرِ محبوس

ہے شعرِ محبوس کہ چہ طرب ناکِ دل آویز  
 اس شعر سے کہ ہوتی نہیں شیرِ خودی تیز  
 افسرِ وہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں  
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ بخیر  
 وہ ضرب اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے  
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریز  
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ  
 از چہرِ چہرِ بائیس نہ نمایند بہ پرہیز

## ہنسرو راں ہند

عشق بستی کا جنت از ہے تختیل ان کا  
ان کے اندیشہ تار یک میں قوموں کے مزار  
موت کی نقش گری می ان کے صہنم خانوں میں  
زندگی سے ہنسراں برہمنوں کا بیزار  
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ طنبہ  
کرتے ہیں روح کو خوابِ بد، بدن کو بیدار  
ہند کے شاعر صورتِ گرو افسانہ نویس  
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوا



۶۴۰  
ضربِ کلیم  
۱۴۰

# مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق  
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر عین  
پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں  
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا تسلیق  
انحس میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو  
شمع محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا رشتہ  
مثل خورشیدِ حسنہ کی تابانی میں  
بابت میں سادہ و آزادہ، معافی میں فوق  
اُس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا  
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرانِ طریق



## عالم نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ خمیرِ تقدیر  
خواب میں دکھاتا ہے عالم نو کی تصویر  
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے  
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا سیر  
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خاک  
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

## ایکجاو معالی

پہر چنند کہ ایکجاو معالی ہے چنند او  
کوشش سے کہاں مروں ہر مسند ہے ازا  
خونِ دل سے سدا کی گرمی سے ہے تیسیر  
میں ساجست افطہ ہو کہ تختِ ازہرست

۶۴۲

ضربِ کلیم

۱۴۲



بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا  
روشن شہر تیرے سے ہے خانہ سرا

## موسیقی

وہ نغمہ سرورِ خونِ غزلِ سرائی و دل  
کہ جس کو سن کے تراپہ سرتاب نال نہیں  
نوا کو کرتا ہے موجِ نفّاس سے زہرِ آلود  
وہ نئے نواز کہ جس کا ضمیر پال نہیں  
پھر میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں  
کسی پس میں لریبِ لالہ چال نہیں

## ذوقِ نظر

خودی بے بند تھی اُس نوحِ گرفتِ چینی کی  
کہا غریب نے جلا دے دمِ سزیر

شہر شہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر  
ذرا میں دیکھ تو لوں تائب ناکہ شمشیر!

## شعر

نہیں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن  
یہ نکتہ ہے تاریخ اُمم جس کی ہے تفصیل  
وہ شعر کہ پیغام حیاتِ ابدی ہے  
یا نعمتِ جبریل ہے یا بانسِ سرفیل!

## قصہ موسیقی

شعر سے دشن ہے جانِ خیریل و اہرن  
قصہ موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن  
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن  
شعر کو یا روح موسیقی سے ہے رقص اس کا بدن!

## ضبط

طریق اہل دنیسا ہے کد شکوہ زمانے کا  
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شان درویشی  
یہ نکستہ پیروانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا  
کہ ضبط فغان شیریں فغانِ دوا پریشانی!

## قص

چھوڑ پورے لیے قص بن کے سنم بیچ  
روح کے قص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!  
جلد اس قص کا ہے تشنگی کا مودہن  
جلد اس قص کا درویشی و شاہنشاہی!





سیاست

شرق و مغرب

۶۲۶  
ضرب کلیم  
۱۲۶

# اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم  
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی فرست  
اندیشہ ہوا شوخی افکار پہ مجبور  
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بے سزا  
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر  
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرا  
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان  
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کو  
جو عرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک  
اس فور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸  
ضربِ کلیم  
۱۲۸

# کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی فہرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش  
نہیں ہے، نہ یہ کو اب کو اور اپنے افکار کی نمائش  
تری کتابوں میں اے حکیم معاش، لکھا ہی کیا ہے آخر  
خطوط حسنہ ار کی نمائش، مرز و کوچ دار کی نمائش  
جہانِ مغرب کے بت لڑوں میں، طیسیاؤں میں مدرسوں میں  
ہوس کی خونِ بڑیاں چھپاتی ہے، عیار کی نمائش

## انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات  
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت  
دلوں میں ولولہ، انقلاب ہے پیدا  
قریب آگتی شاید زبانِ پیر کی موت!



## خوشامد

نہیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن  
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز  
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد  
دستورِ نیا، اور نئے دور کا اعجاز  
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت  
کہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہباز

## مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسوفی افرنگ  
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم نال  
ترے طلبِ مناصب کی خیر ہو یا رب  
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی  
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک  
 شرابی کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے  
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جو ہر ادراک!

## یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت  
 دل سینہ بے نور میں محسوس تسلی  
 تاریکے افزائشِ سینوں کے دھوئیں سے  
 یہ وادیِ امین نہیں شایانِ تجسلی  
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاں مرک  
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مثولی!



# نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکما بھی  
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ  
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا ہر ایک  
ہر ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں سیکانہ  
"بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو  
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ"  
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن  
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بیان



۶۵۲

ضربِ کلیم

۱۵۲

## ملشویاں رُس

رُوشِ قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب  
خبر نہیں کہ خبر سیرِ جہاں میں ہے کیا بات  
ہوتے ہیں کس سرِ چلیپا کے واسطے مامو  
وہی کہ حفظِ چلیپا کو جانتے تھے نجات  
یہ وحیِ دہریتِ رُوس پر ہوتی نازل  
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

## آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا  
جو آج خود اس روزِ جو بکروز نہیں ہے  
وہ قوم نہیں لائقِ ہر سنگِ گمانِ سرا  
جس قوم کی قسمتِ دیر میں امروز نہیں ہے!

## مشرق

مری نوا سے کریب بان لالہ چاک نہوا  
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی  
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی  
کہ زوہر شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی  
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن  
زمانہ دارورسن کی تلاش میں ہے ابھی

## سیاستِ افرنک

ترمی حرفیہ کے یارب سیاستِ افرنک  
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس  
بنایا ایک ہی ابی سرال سے ٹپنے  
بنائے خاک کے اُس نے دو صد ہزار اہل میں!

۶۵۲  
ضربِ کلیم  
۱۵۲

# خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم  
ایلِ سبت بادہ ہیں یا ایلِ سیاست ہیں اہام  
اس میں پھیری کی کراہت ہے نہ میری کا ہے نور  
سیکڑوں صدیوں سے خوں کر ہیں سلامی کے عوام  
خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی  
پنختہ ہو جاتے ہیں جب خوں عن سلامی میں غلام!

## غلاموں کے لیے

جگتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے  
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے کسیر  
دین ہو، سلف ہو، فقر ہو، سلطان ہو  
ہوتے ہیں پنختہ عہد کی بنا پر کسیر

حرف اس قوم کا بے سوز، نسل زار و زبوں  
ہو گیا نچستہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر

## اہل مصر سے

خود ابوالہول نے نیکتہ سکھایا مجھ کو  
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرار قدیم  
فہمۃ جس سے بدل جاتی ہے تہمت پر ائم  
ہے وہ قوت کہ عرف اس کی نہیں تسلیم  
ہر زمانے میں دلروں ہے طبیعت اس کی  
کبھی شمشیر محمد ہے کبھی چوب کلیم





# ابی سینیا

( ۱۸ اگست ۱۹۲۵ء )

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر  
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش  
ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش!  
تہذیب کا کمال شرافت کا بے زوال  
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش  
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!  
اے وائے ابروئے کلیسا کا آئینہ  
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش  
پیر کلیسا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



# ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام\*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں  
زنتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو  
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈرنا نہیں فرا  
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو  
فکر عرب کو دے کے فرنگی تختلات  
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو  
افغانیوں کی غیرت دیں کا پے یہ علاج  
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو  
اہل حرم سے ان کی روایاں چھین لو  
انہو کو مرعزہ زارِ ختن سے نکال دو

\* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضربِ کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز  
ایسے غزل سر کو چمن سے نکال دو!

## \* جمعیت اقوام مشرق

پانی بھی مسحت نہ رہے ہوا بھی مسحت نہ  
کیا ہو جو نگاہ فلک پر بدل جائے  
دیکھا ہے ملو لیت افرنک نے جو خواب  
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے  
طہران ہو کر عالم مشرق کا جنیوا  
شاید لڑۂ ارض کی تعتیر بدل جائے!



❁ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

## سُلطانی جاوید

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی  
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز  
فطرت کو لو اور انہیں سُلطانی جاوید  
ہر چند کہ یہ شعبہ بازی ہے دل آویز  
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک  
باقی نہیں دنیا میں ملوکیت پُریرا

## جمہوریت

اس راز کو الٹ مڑ فرنگی نے کیا فاش  
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں  
بندوں کو لٹا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

## یورپ اور سوریہ

فرنگیوں کو عطا خاں سوریہ نے ایک  
نبی بعثت و عنسم خواری و کلم ازاری  
صدہ فرنگ سے آیا ہے سوریہ کے لیے  
مے و قمار و ہجوم زنان بازار

## مسو لینی \*

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!  
بے محسب بلڑا ہے معصومان یورپ کا مزاج

\* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں  
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار اٹھ چھلنی میں چھلج  
 میرے سودا سے ملکیت کو ٹھکراتے ہو تم  
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجھ؟  
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملکیت کے ہیں  
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج  
 ال سیر چو پنے کی آبیاری میں ہے  
 اور تم ڈنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!  
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائیں نوں کے خیم  
 تم نے لوٹی کشت و پھان تم نے لوٹے تخت و تاج  
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم نشی  
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



کلمہ

معلوم کئے ہند کی تفتدیر کہ اب تک  
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے  
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ  
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیریں ہے  
 جاں بھی لے کر و غمیر بدن بھی لے کر و غمیر  
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے  
 یورپ کی عنلامی پہ رضا مست ہوا تو  
 مجھ کو تو کلمہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے  
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری



جہاں شمار نہیں زنِ شکر لباس نہیں  
 جہاں حرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری  
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سیق  
 طرعتِ آبِ جَد سے نہیں ہے بیزاری  
 خُور و زریک و پُر دم ہے بچ پترِ بڑی  
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری  
 نطنِ فرانِ سرنگی کا ہے یہی نستوی  
 وہ سر نہیں مَدَنیت سے ہے ابھی ساری

## لا دینِ ستیا

جو باستِ حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی  
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر  
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین  
 کس نیزا پر من و دُوں نہاد و مُردہ سیر

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد  
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر  
متاعِ غیب یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی  
تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر

## دامِ تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے  
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا  
یہ سپرِ کلیسا کی فراموشی ہے کہ اس نے  
بجلی کے سپر انگوں سے منور کیے افکار  
جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل  
تدبیر سے کھلتا نہیں عیختہ و شوا  
شرکانِ جفا پیشہ کے پنچے سے نکل کر  
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

## نصیحت

اک لڑکھنڈی نے کہا اپنے پیارے  
منتظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ پوسیر  
بیچارے کے حق میں ہے ہی سب بڑا مسلم  
بڑے پہ الر فاشس کریں قاعدہ شیر  
سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہت  
کرتے نہیں محکم کو تنیوں کے کبھی یہ  
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو  
ہو جاتے ملائم تو جدھر چاہئے اے پیر  
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ سیر  
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک دھیر



۶۶۶

ضرب کلیم

۱۶۶

ایک محرمی قزاق اور سکند

سکند

جہد تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری  
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس فوجِ جوانِ مری سمجھتا ہے  
گوارا اس طرح کرتے ہیں، شیموں کی رسوائی؟  
تراپیشے، سفالی، مراپیشے، سفالی  
کہ ہم تیرا قزاق ہیں، توں تو سیدانی، میں دریائی!



## جمعیتِ اقوم

بھپاری کتنی روز سے دم توڑ رہی ہے  
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے  
 تفت دیر تو مُنہ سرم نظر آتی ہے لیکن  
 پیران کلیسا کی دعائے یہ ہے کہ ٹل جائے  
 ممکن ہے کہ یہ دہشتہ پیرا فرناک  
 ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

## شامِ فلسطین

رندانِ نسیمِ کایہ سلامت  
 پر ہے مگر کھڑا ہے پریشہ حلق کا  
 ہے خالِ فلسطین یہ یہودی کا الحق  
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

۱۹۸  
 ضربِ کلیم  
 ۱۹۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور  
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

## سیاسی پیشوا

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے  
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خال سے پیوند  
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی  
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کند  
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع  
تختِ ملوکاتی و جند بہ ہائے بلند

## نفیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب  
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ  
دیکھتے ہیں نقطہ ال فلفسفہ زو باپی  
ہو اگر قوت ففنون کی درپردہ مرید  
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

## غلاموں کی نماز

(شرکی وفدِ ہلالِ احمر لاہور میں)

کہا مجھ سے کہ شرکی نے مجھ سے بعد نماز  
طویل سجڈ ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام  
وہ سادہ مردِ سادہ، وہ مومنِ آزاد  
خبر نہ تھی اُسے کیا چسپیز ہے نمازِ غلام  
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں  
انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام



بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم  
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام  
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے  
 وراے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام  
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو  
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

## فلسطینی عربی

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ  
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے  
 تری دوانہ جلیوا میں ہے نہ لسنِ دن میں  
 فرناک کی رلِ جاںِ پنجہ یہود میں ہے  
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات  
 خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

# مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و قوت سلید  
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ شہوری  
نہ مشرق اس کے بڑی ہے نہ مغرب اس کے بڑی  
جہاں میں عالم ہے قلب و نطفہ سر کی زنجوری

## نفیاتِ حامی

(اصلاحات)

میر ہے بے سہری صتیاد کا پڑہ  
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری  
رکھنے لگا مڑ جھباتے ہوئے پھول قفس میں  
شاید کہ اسیروں کو لوارا ہو اسیری!



۶۶۲  
ضریحہ کا سیر  
۶۲

# محراب گل افغان نئے اسکے

۶۶۳  
ضرب کاہم  
۱۶۳

# محراب گل افغان کے افکار



میرے کُستیاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں  
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب و جد کی خال  
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ  
لالہ و گل سے تھی نہ سببِ بل سے پاک  
تیرے حسنِ مہیج میں میری ہشت بے  
خالِ تیری عنبریں آبِ ترا تا بے ناک



۶۶۲

ضربِ کلیم

۱۶۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک وسم  
 حفظِ بدن کے لیے روح کو کردوں ہلاک !  
 اے مرے فقرِ غمخور ! فیصلہ تیرا ہے کیا  
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک !



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام  
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تو  
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو  
 کہ اس کا زخم ہے درپردہ آہستہ مضمون  
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویستا  
 اتر لیا جو ترے دل میں لاشکرِ نیک !





تری دُعا سے قصدا تو بدل نہیں سکتی  
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے  
 تری خودی میں اگر اُفتلاب ہو پیدا  
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے  
 وہی شراب، وہی ہلے و چو رہے باقی  
 طریقِ سابق و رسمِ کدو بدل جائے  
 تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری  
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ  
 سب راہرو ہیں واما ندۃ راہ

۶۷۶  
 ضربِ کلیم  
 ۱۶۶

کڑکا سکندر بحلی کی مانند  
 تیجہ کو خبر ہے اسے مرگ ناگاہ  
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت  
 اک ضرب شمشیر، افسانہ کوتاہ  
 افسانہ باقی، گنہگار باقی  
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!  
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد  
 کرتی ہے حاجت شیروں کو زوبا  
 محرم خودی سے جس دم ہوا فقر  
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ!  
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش  
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ







یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو  
 اس عیش و فراوان میں ہے ہر لحظہ غم نو  
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں  
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو  
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے  
 اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو  
 فطرت کے نوایس چغالب سے ہنرمند  
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحب بر تو  
 وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے  
 شپے کے بدن سے شبنم کی طرح صنوا



۶۷۸

ضرب کلیم

۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد  
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو  
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہِ پے یگانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینہ مبارک  
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازِ تجلید  
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان  
تو بھی اے فرزندِ کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان  
او غافلِ فہستان!

موسمِ اچھا، پانی و آسِ مٹی بھی زرخیز  
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان  
او غافلِ فہستان!

اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے  
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان  
او غافلِ فہستان!

۶۸۰

ضربِ کلیم

۱۸۰

وُٹھو نڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ  
اُس بندے کی دہشتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج  
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر  
شیرک کہتی ہے تجھ کو کورِ چشم و بے ہنر  
لیکن اے شہبازِ ابرہ مرغانِ صحرا کے اچھوت  
ہیں فضائے نیلگوں کے بیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اس سارے احوال و مقام  
روح ہے جس کی دم پرواز ستارہ نطشہ!



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل ہوس  
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز محسوس  
یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں  
کہ شیمن چھوٹا دل پہ کراں مثل قفس  
سحر آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل  
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جبرِ سحر  
گرچہ مکتب کا جوان زندہ نطشہ آتا ہے  
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس  
پرویش دل کی اگر نطشہ ہے تجھ کو  
مردہ مومن کی نگاہ نطشہ انداز ہے بس!

۶۸۲  
ضربِ کلیم  
۱۸۲



وہی جوان ہے قبیلے کی آئینہ کا تارا  
 شبابِ سب کا ہے بے دل غمِ ضربِ جی کا رمی  
 اگر ہو جنگ تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر  
 اگر چھوٹے تو رعیتِ عزتِ نالِ تارمی  
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہر سوز  
 کنیستوں کے لیے بسجِ ایک چنگاری  
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانہ  
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزازی  
 نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو  
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہٴ کلمہ داری





جس کے رتوں سے منور تر ہے سیری شب و شمس  
 پھر بھی ہو سکتا ہے روشن چہ پرانغ خاموش  
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ  
 بندہ جس کے لیے شہر تقدیر ہے نوش  
 نہیں پسند کرتا یہ سپیکار کے لائق وہ جوان  
 جو ہوا مالہ مرغانِ حسن کے مدہوش  
 مجھ کو ڈر ہے کہ طمعِ نازِ طبیعت تیری  
 اور عیتِ ارہیں ہو یہ سپیکارِ فرہوش



لا دینی و لا سنی، بس پیچ میں اُبھاتو  
 وارو ہے ضعیفوں کا 'لا غالب الاھو'

۶۸۲  
 ضربِ کلیم  
 ۱۸۶



صبیح و معانی کو یورپ کے ہر مہرے  
 وکاشش ہے فضا بہین بے نام تمام اہو  
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل  
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو  
 صبیح و ہے کافسر کا، پنچ پر ہے مومن کا  
 یہ دیر کہن یعنی تخت سائے زناں و بو  
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلوادے  
 ہے ان کی نسا زوں سے محراب شش ابرو



مجھ کو تو یہ ذہب نظر آتی ہے دگرگوں  
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا  
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار  
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سہارے کی تلافی  
 ایسے سیرِ حرم سیری مناجاتِ سحر کیا  
 ممکن نہیں تخلیقِ خودی حنا نقہوں سے  
 اس شعلہٴ نیم خورہ سے ٹوٹے کاشِ سر کیا



بے جُراستِ رندانہ ہر شق ہے رُو باہی  
 بازو ہے قوی جس کا، وہ شقِ یُدِ الہی  
 جو سختی منہ نزل کو سامانِ سخن سمجھے  
 اے وائے تنِ آسانی! اپنا پید ہے وہ راہی  
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مَرُوبِ میدانی!  
 کُتھار کی خلوت ہے تعلیمِ خود کاہی  
 دُنیسا ہے روایاتی، عقیقی ہے مہرِ مناجاتی  
 در باز و عوالمِ را، این است شہنشاہی!

۲۸۶

ضریحہ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہ  
 مشکل نہیں اے سالک! یہ اعلم تیری  
 فولاو بساں رہتا ہے شیر کے لائق  
 پیدا ہوا اگر اس کی طبیعت میں حریری  
 خود دار نہ ہو فحش تر تو ہے قہر الہی  
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمت امیری  
 افزائش ز خود بے خبرت کر دہ کرنے  
 اے بندہ مومن! تو بشیری تو نذیری!



قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی  
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی لیا ہے خدائی!

جو فہم نہ ہوا تلخی دوراں کا گلہ مست  
 اُس فہم میں باقی ہے ابھی بونے کدائی  
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیتر  
 جو مجبِ نہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی  
 درِ سر کہ بے سوز تو دوستِ قنہاں یافت  
 اے بندۂ مومن تو لبائی تو لبائی  
 خورشیدِ سار پر وہ شوق سے نکل کر  
 پہنا مرے کھسار کو ملبوسِ حسنائی



آگ اس کی ٹھونک دیتی ہے برناؤ پیر کو  
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیبِ یقین  
 ہوتا ہے کوہِ وِشت میں پیدائش بھی  
 وہ مرد جس کا فہم خزانہ کو لے نہ جیں

۶۸۸  
 ضربِ کلیم  
 ۱۸۸

تو اپنی سر نوشت اب اپنے قلم سے لکھ  
 خالی رکھی ہے حسانہ حق نے تری بسیر  
 یہ سیکلوں فضل با جسے کہتے ہیں آسماں  
 ہمت پرورش تو حقیقت میں کچھ نہیں  
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں  
 زیر پر ایک تو یہی آسماں زمین!



نیکو تر خوب کہا شیر شاہِ نوری نے  
 کہ امتیازِ قرب الٰہی تمام تر خواری  
 عزیز ہے انھیں نامِ وزیری و محسود  
 ابھی خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری  
 ہزار پارہ ہے لہسار کی سلمانی  
 کہ ہر سید ہے اپنے بتوں کا زتاری

وہی سرم ہے وہی عہدِ بارِ لات و منا  
حُثْدا نصیب کرے تجھ کو ضربِ کاری!



نگاہ وہ نہیں بس رخ و زرد پہچانے  
نگاہ وہ ہے کہ محنتِ جہشِ ٹڑہ نہیں  
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن  
قدم اٹھا ایسے تمام انتہائے راہ نہیں  
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے  
علومِ تازہ کی کستریاں لسن نہیں  
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری  
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں  
سنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟  
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کُلاہ نہیں!

۴۹۰  
ضربِ کلیم

۱۴۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی  
 یابندہ صحرائی یا مرد و لہستانی  
 دنیا میں محارب ہے تہذیب فہوں لہر کا  
 ہے اس کی فہتیری میں سطر یہ سلطانانی  
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں  
 بلبل چمنستانی شہباز بیابانی  
 اے شیخ بہت اچھی کتاب کی فضا، لیکن  
 بنتی ہے بیاباں میں سنار و قی و سلطانی  
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا  
 تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانانی







# ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳

ارمغانِ حجاز

۱

م ۱ = حضور حق  
 م ۲ = حضور ملک  
 م ۳ = حضورات

سرور م ۲۲  
 ادریش به آستانه یزید از نورنا کر  
 نفسم کرم می آید جسد و با چهره ای  
 نه از غریب کجای

سرور م ۲۲  
 خوشتر از پای به باستان  
 دلی او نیست به کس  
 که به پیشش نیست  
 به پیشش نیست

سرور م ۲۳  
 مجو از رخ کلام عارفانه  
 رخ دارم سرست عانتخانه  
 سرمن لاله گویا لاله در باغ  
 بیفت نام چو چشم دانه دانه

۴۹۴  
 اصفهان مجاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## فہرست

۱	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰/۹
۲	بڈے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۷۱/۲۱
۳	تصویر و مصوّر	۷۵/۲۳
۴	عالم برزخ	۷۶/۲۵
۵	مسنزل شہنشاہ	۷۲۱/۲۹
۶	دوزخی کی سنا جاست	۷۲۲/۳۰
۷	مسعود مرحوم	۷۲۳/۳۱
۸	آوازِ غیب	۷۲۶/۳۴

# رُبا عیادت

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۴۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۴۸
- ۳ ولرگوں عالمِ شام و سحر ۷۳۰/۴۸
- ۴ عنبرِ سی میں ہوں محسوسِ آسری ۷۳۱/۴۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے نریا ۷۳۱/۴۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۵۰
- ۷ گنہگار ہوتے آرزو سحر ۷۳۲/۵۰
- ۸ حدیثِ بندہ مومن دل آویز ۷۳۳/۵۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۵۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۵۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۵۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۵۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشعل موج ابھر کر ۷۳۵/۵۳

# ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب  $\frac{۷۳۷}{۲۵}$
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام  $\frac{۷۳۸}{۲۶}$
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و مستیر  $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۴ کرم جو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو  $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۵ دُراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں  $\frac{۷۴۰}{۲۸}$
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات  $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۷ نکل کر حنن نقاہوں سے ادا کر رہیم شبیری  $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خیر  $\frac{۷۴۲}{۵۰}$
- ۹ کھنکھ چپس میں کتب خانہ کل  $\frac{۷۴۳}{۵۱}$
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سند  $\frac{۷۴۴}{۵۲}$
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ  $\frac{۷۴۵}{۵۳}$
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے  $\frac{۷۴۶}{۵۴}$

۴۴/۵۵	۱۳	نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
۴۴۸/۵۶	۱۴	چہ کافرانہ قمارِ حیات می بازی
۴۴۹/۵۷	۱۵	ضمیمہ سیرِ سب کے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ
۴۵۰/۵۸	۱۶	حاجت نہیں اے خطہٴ کل شرح و بیاساں لی
۴۵۱/۵۹	۱۷	خود آگاہی نے سیکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
۴۵۱/۵۹	۱۸	آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور
۴۵۲/۶۰	۱۹	غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد



۴۵۳/۶۱	۱	سراکبرِ حیدری
۴۵۴/۶۲	۲	صدرِ اعظم حیدر آباد و کن کے نام
۴۵۴/۶۲	۳	حضرت انساں



۶۹۸  
اصنافِ مجاز



# اُردو نظمیں

۶۹۹  
ایمان مجاز

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !  
ساکنانِ عرشِ اعلم کہ تمناؤں ۵ خوں !

۲ ~~سنہیلہ~~ اگر کہ شربانی بیچ کرمان ہے وہ لاکر اند  
جنے اگر کہ نام رکھا تھا جہان کاف و نون

۳ کونا کرنگا ہے اسے آتش خود راں کو سر

حک بگھا مولا میرا ابلیس ۵ نند دروں

۴ چمچہ دکھلایا رنگی کو ملکوت ۵ غریب

نے پہنچ توڑا صومچہ و دیرویکس ۵ نون !

۵ چمچہ ناداروں کو کھلایا ہوتا تمہیر کا

نے پہنچ غم کو دیا کریمہ دلدار ۵ جنوں !

۶ زنجیر جگا ہے ~~جگا~~ حکم خیر میں پار دیا آسان سے بلند

کونا کرنگا ہے اسے کلک کن کو سزگوں ؟

# انیس کی محکمشوری

۱۹۳۶ء

انیس

عین صبر کا پُرانا کھیل، یہ دنیائے فوں  
ساکنانِ عشرِ عظم کی تمشتاؤں کا خون  
اس کی بربادی پہ لاج ادا ہے وہ کار ساز  
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہاں کاف فوں  
میں نے دیکھا لایا فرنی کو ملکیت کا خواب  
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا  
 میں نے مُنہ پر کھم کو دیا سڑیاری کا جنوں  
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد  
 جس کے ہنکاہوں میں ہو اب یہ کس سوزوں  
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ یاری سے بلند  
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبز بگھوں!

## پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابسی نظام  
 چنخت تر اس سے ہوتے خوتے غلامی میں عوام  
 ہے ازل سے ان سر یوں کے مقدر میں سجود  
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے سازِ بے قیام  
 ارز و اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں  
 ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سعی پیسہ کی کراست ہے کہ آج  
 صوفی و ملا ملولیت کے بستہ ہیں ہم  
 طبع شرق کے لیے مونروں ہی افیون تھی  
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام  
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ الربانی تو کیا  
 کُن ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام  
 کس کی نو میدی پختہ ہے یہ سران جدید؟  
 ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام؟

## دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کدھر  
 توجہ اس کے تازہ فتنوں سے نہیں بے باخبر!

## پہلا شیر

ہوں ہر سیر سہری جہاں اپنی بتاتی ہے مجھے  
جو ملکیت کا ال پردہ ہو گیا اس سے خطرہ  
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس  
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس خود فکر  
کاروبار سیر کی حقیقت اور ہے  
یہ وجود میں سلطان پر نہیں ہے منحصر  
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو  
ہے وہ سلطان، بغیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر  
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام  
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک ترا

## تیسرا شیر

روحِ سلطانی ہے باقی تو پھر کیا خطِ اسرار  
 ہے مگر کیا اس بیہودی کی شرارت کا جواب  
 وہ حکیم ہے تجلی ہو یہ سج بے صلیب  
 نیست پیغمبر بس یکن و پستل دار و کتاب  
 کیا بست آؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز  
 مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب  
 اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد  
 توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خمیوں کی طناب!

## چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ  
 ال سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب



کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا  
گاہ بالہ چوں صحنِ نوبر گاہ نالہ چوں باب

## تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں  
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

## پانچواں شیر

(ابیس کو مخالف کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار  
تو نے جب چاہا، کیا ہر پردہ کو آشکار  
اب کل تیری حرارت کے جہان سوز و ساء  
ابدِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں  
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار  
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف  
تیری غیبت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار  
کرچہ ہیں یہ سیر مرید افزائے حسرت تمام  
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار  
وہ یہودی فتنہ کز وہ زورج مزدک کا بڑو  
قہر با سوزے کو ہے اس کے خونوں سے تارار  
زباغ دشتی ہو رہا ہے ہر سر شاہین و چرخ  
کتنی شہرست سے بدلتا ہے مزاج روزگار  
چھا لئی آشفقت ہو کر وسعت افلاک پر  
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے ان مشتبہا  
فتنہ و فتنہ دہلی سمیت کا یہ عالم ہے کہ آج  
کانپتے ہیں کو ہمسار و مغر سزار و جوتہا

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے  
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

## ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دست تصرف میں جہاں بگٹ بو  
کیا زمین کیا مہرہ کیا آسمان ٹوٹو  
دیکھ لیں کے اپنی آنکھوں کے تماشا غروب شرق  
میں نے جب کر دیا اقوام پورے کا لو  
کیا امان سیاست کیا کلیسا کے شیوخ  
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایسا ہو  
کار کاہ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے  
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سوا

دستِ فطرت نے کیل ہے جن کریبانوں کو چال  
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوتے رفو  
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ لرو  
 یہ پریشاں روزگارِ اشتفہہ مغزِ اشتفہہ مو  
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے  
 جس کی خاکِ ستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو  
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ  
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا پیسے جو ظالم وضو  
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے  
 مزدِ کینتِ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں  
 ہے وہی ساری داری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں  
 بے پند و پناہ ہے پیرانِ حرم کی استیں  
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ جو  
 ہونہ جلتے اشکارِ اشراقِ پیرِ کبریاں  
 احوالِ اہل بیتِ پیر سے سو بار الحذر  
 حافظِ ناموس بن مردِ آزما، مردِ انہریں  
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے  
 نے کوئی شغور و خفاں نے فقیرِ ریشیں  
 کرتا ہے دولت کو ہر اکو دلی سے پال صاف  
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں  
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب  
 پادشاہوں کی نہیں اشد کی ہے یہ زمین  
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ زمین تو خوب  
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ نعمتیں

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھار ہے  
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات  
ہو نہ روشن اس خداوندیش کی تاریک رات  
ابن مریم مرکب یا زندہ جاوید ہے  
ہیں صفات ذات حق حق سے خدایا عین ذات  
اسنے والے سے سیح ناصر ہی مقصود ہے  
یا مجدد جس میں ہوں سرزند مریم کے اصفا  
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم  
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات  
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں  
یہ الہیات کے ترشے پڑے لات و سنا؟

تم ایسے جگہ نہ رکھو عالم کو اسے  
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا  
 خیر اسی میں ہے قیامت تہا ہے مومن غلام  
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے شتاب  
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت  
 جو چھپکے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات  
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری نہیں  
 ہے تحقیق جس کے دین کی احتساب کا تہا  
 مست رکھو ذکر و فکر صبح کا ہی میں اسے  
 پختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے



۷۱۲  
 اربعان مجاز  
 ۲۰



بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو سیرے سیاہاں کی ہوا تجھ کو لو ارا

اس دشت سے بہتے ہر نہری نہ بخارا

جس سمت میں چاہے صفیل و اس پل

وادی یہ ساری ہے صحرایہ بھی ہمارا

غیر تھے بڑی چمن نہ جہان ملک و دو میں

پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہر

کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

انرا دے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر نہری ملتے ملتے تدرک اسارا

مردم رہا دوست دریا سے وہ غوٹھیں

کرتا نہیں جو محبت ساحل سے کنار

۷۱۳  
ارغوان مہار  
۲۱

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو قلمت  
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار  
 دنیا کو ہے پھر سرکہ زور و بدن پیش  
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو انجسار  
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو  
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا  
 تفتیر اٹھم کیا ہے کوئی کہ نہیں سکتا  
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشار  
 اصل عمل ماننا نہیں کان کنن سے  
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



۷۱۴  
 اربعین مجاز  
 ۲۲

# تصویر و مصوّر

## تصویر

کہا تصویر نے تصویر کر سے  
نمائش ہے مری تیرے ہر  
بیکر کن کس دست درنا منصفی ہے  
کہ تو پوشیدہ ہو پیری نطش ہے!

## مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ و پر  
جہاں بینی سے لیا لہری شریر  
نظر درو غنم و سوز و تب و تاب  
تو اسے ناداں قناعت کر خیر

## تصویر

خبر عمتل جس رو کی ناتوانی  
نظر نہ، دل کی حیا سب جاودانی  
نہیں ہے اس زمانے کی تاز  
سزاوار حدیث 'لن ترانی'

## مُصوّر

تو ہے میرے کمالا سب نہر سے  
نہ ہو نویں اپنے نقش کر سے  
مرے دیدار کی ہے اس یہی شرط  
کہ تو نہ پاس نہ ہو اپنی نظر سے



# عالم برنخ

مُردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے کس امر و زکا فردا ہے قیامت  
اے میرے شبستانِ لہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مُردہ صمد! تجھے کیا نہیں سلوم؟  
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مُردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت  
اُس موت کے پھنکے میں گرفتار نہیں ہیں

چرچند کہ نہوں مردہ صمد لہ ولیکن  
 ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں میں  
 ہو روح پھر اک بار سوار بدن زار  
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

## صدائے غیب

نے نصیب مارو کڑو دم نے نصیب وام و دو  
 ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگ ابد  
 ہائے اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں  
 روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد  
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام  
 کدچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے وطنِ عالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا  
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خال میری سوزناک  
تیری میت کے مری تاریکیاں تاریک تیر  
تیری میت کے زمیں کا پردہ ناموس حال  
الحذر محکوم کی میت کے سوا بار الٰہی  
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

صدائے غیب

گرچہ ہر ہے قیامت کے نظامِ ہست و بود  
ہیں اسی آشوب کے بے پردہ اسرارِ جو  
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانندِ حساب  
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود



ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام  
ہے اسی میں شکست زندگانی کی شود

## زمین

آہ یہ مرکب دوام آہ یہ رزم حیات  
خستہم بھی ہو کی کبھی شکست کائنات  
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات  
عارف عامی تمام بندۂ لات مہنات  
خوار ہوا کس قدر آدم یزوان صحنات  
قلب و نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات  
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات



## معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ نیکو فرجام کو  
جس کی قربانی سے اس لرزلوگیت میں فاش  
شاہ ہے برطانوی مندر میں ال مٹی کا بُت  
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں نجاری پاش پاش  
ہے یہ مشکِ امیرِ افیوں ہم غلاموں کے لیے  
ساحرِ نکلیس! مارا خواجہ بہ دیر تراش



# دوزخی کی مناجات

اس دیر کھن میں ہیں غرض مند چرباری  
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد  
پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود  
قسمت ہے عسیریوں کی وہی نالہ و سہریا  
ہیں کراچہ طبع بند میں عمارات فلک بوس  
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد  
تیشے کی کوئی کردش تفتدیر تو دیکھے  
سیراب ہے پرویز جگر شکنہ ہے فرہاد  
یہ عیلم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت  
جو کچھ ہے وہ ہے منکر ملکوت کا نہ کی احباب  
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زیر پر سور  
سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

## مسعود مرحوم

یہ سر و سر، یہ ستارے یہ آسمان کبود  
کسے خبر کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود  
خیال حبس و بندل فسانہ و افسوں  
کہ زندگی ہے سرِ اپارِ حیل بے مقصود  
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی  
وہ یادگار کمالِ استِ احمد و محمود  
زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اس کی  
وہ کارواں کا مستِ باغِ لراں بہا مسعود  
مجھے زلاتی ہے اہل جہاں کی بید روی  
فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سر و  
نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارۂ غم دوست  
نہ کہہ کہ صبر معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَمَّا كَانَ عَاشِقٌ وَصَابِرٌ بُوْدَ مَلِكٍ سَنَدٌ اسْت  
زَعَشَقَ تَابَ صَبُورِي مِزَارِ فَرْسَنَدٌ اسْت“  
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے نوجھ کہ عسکر لڑ پیا کیا ہے  
کئے خبر کہ یہ نیزنگ و سیما کیا ہے  
ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور  
مگر غیبِ صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے  
غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے وقِ جمال  
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے  
دلِ نبطِ شری اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز  
نہیں تو حضرتِ انساں کی انتہا کیا ہے  
جہاں کی رُوحِ رواں ”لا الہ الا ھو“  
سیح و منح و حلیا، یہ تہِ سرا کیا ہے  
قصا صِخُونِ تَمَنَّا کا مانگے کس سے  
گنہگار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم  
طسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات  
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا  
ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا

خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم  
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجودات

بنگاہ ایک شب تلی سے ہے اگر محروم  
دو صد ہزار شب تلی تلافی مافات

مستام بندہ مومن کا ہے ورانے سپر  
زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اس کا نشین ابدی  
نہ تیرہ خالِ محسوس ہے نہ جلوہ کاہ صفات

خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جہتند  
طلسم سروسپرو ستارہ بشتند

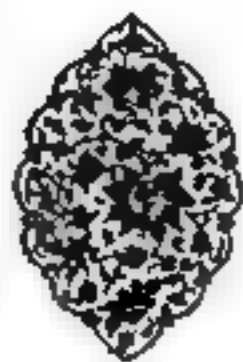
## آوازِ غیب

آتی ہے دم صبح صدا عرشین ہیں سے  
لکھو یا کیا کس طرح ترا جوہر اوراں!  
کس طرح ہوائے ترا نشتر تحقیق  
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جد چاک  
نوط سہرو باطن کی خلافت کا سرِ اوار  
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ حسن و خاشاک  
مہر و مہ و آبسم نہیں محکم ترے کیوں  
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک



اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں  
نے گرمی اس کا، نہ اندیشہ بے باک  
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی  
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی یہ سری وہ آئینہ ضمیری  
اے شہسوار سلطانی و ملائی و پیری



[illegible]

47A

ایضاً محمد

५५

# زباعت



مری شاخ اہل کا ہے شرکیا  
ترمی تفت دیرلی مجھ کو خبر کیا  
کل گل کی ہے محتاج کشوداج  
نسیم صبح مندر اپٹن کر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے  
 کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے  
 چو اسیری سے شیطان لہندیش  
 گنت تازہ تر لائے کہاں سے!



دلِ لکوں عالمِ شام و سحر کر  
 جہاں خشک و تر زیر و زبر کر  
 ہے تیری حسدائی داغ سے پاک  
 مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر



سیری میں ہوں محمود اسیری  
 کہ غیتِ مرثیہ سیری  
 حذر اس قدر رویشی سے جس نے  
 سماں کو سکھا دی سیری!



خرد کی تناسل و امانی سے نسیا  
 تجلی کی نسیا وانی سے نسیا  
 گوارا ہے اسے نطفہ غیر  
 زندگی ناما سمانی سے نسیا!



کہا اقبال نے شیخ حسام  
 تہ محراب مسجد سویا کون  
 زندا مسجد کی دیواروں سے آتی  
 فرنگی بت کدے میں لکھو کون؟



گنہگار گناہ مائے آرزو  
 کہ ہے مردِ سماں کا لہو  
 بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک  
 کہ ہے آج ایشیا کا لہو



سید شبنم مومن دل آویز  
 چکر پرخوں، نفس روشن بکلمہ تیز  
 میسر ہو کسے دیدار اس کا  
 کہ ہے وہ رونق محسن کلمہ ایز



تمیز منار و گل سے اشکارا  
 نسیم نسیم سج کی روشنی ضعیف  
 حفاظت پھول کی کون نہیں ہے  
 اگر کانٹے میں ہو جو خستہ سریری





نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی  
 کہ اصلِ زندگی ہے خودمانی  
 نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا  
 دل دریا سے گہرا کر کی جاتی



ترے پیام میں طوفان کیوں نہیں ہے  
 خود ہی یہی سدا کیوں نہیں ہے  
 عیشِ شکوہ تیرے پیروں  
 تو خود تفتِ پیروں کیوں نہیں ہے؟



سر دیکھے اگر دل کی نگہ سے  
 جہاں روشن ہے نورِ لا الہ سے  
 فقط اک کروشنِ شام و سحر ہے  
 اگر دیکھیں سرِ غمِ سرور سے



کبھی دریا سے شل موج اب کر  
 کبھی دریا کے سینے میں اتر کر  
 کبھی دریا کے حل سے لڑ کر  
 مسموم اپنی خودی کا فاش تر کر!



# ملا زادہ ضلع لولاکشتری کا ضلع



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب  
مرغانِ ستیری فصحاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

کر صاحبِ ہنگام نہ ہوں نہ مجرب  
دیں بندہ من کے لیے موت کے یا خواب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا مانجے بکرسوز  
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضرب

اے وادیِ لولاب!

ملا کی لٹ نہ زورِ فراست سے چٹالی  
بے سوز ہے سحرِ نازِ نہ صوفی کی مے ناب  
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے  
اس قوم میں ہڈت سے وہ درویش کے نایاب  
اے وادیِ لولاب!



موت ہے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام  
مکروں و فنِ خواجگی کا شش سمجھت غلام  
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ  
صُور کا غوغا لالِ حشر کی لذتِ حرام  
اے کہ غلامی سے ہے روحِ تری مضمحل  
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام



آج وہ کشمیر کے محکوم و مجبور و فقیر  
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ سر  
 سینہ اس لاک سے اٹھتی ہے آہِ نونال  
 مروحی ہوتا ہے جب عروبہ سلطانِ امیر  
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی  
 کوہ کے دامن میں وہ غنیمتِ نہروچکانِ پیر  
 آہ! یہ قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ  
 ہے کہاں روزِ مسکافاست اے خداوندِ کبر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو  
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر  
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو  
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں  
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تارِ زفو  
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاشِ پاش  
 حالتِ کربتِ سندیں دل و آسینہ



ذرا ج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں  
 حیات میں ہے صیاد و شاہیں ہے کہ درج  
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے ظلم  
 مشرق میں ہے فرائے قیامت کی نمودار  
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب  
 وہ مردہ کہتے بانگِ فراسیل کا محتاج





رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات  
 مگر حسد کہ مشہور نہیں ان کے کرامات  
 خود پسری و خود داری و طلبانگہ انا حق  
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات  
 معلوم ہو سالک تو یہی اس کا ہر دوست  
 خود مرده و خود مرستہ و خود مرلہ معاجات!



نکل کر حق انقا ہوں ادا کر رسم شبیری  
 کہ فتنہ خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دھیری  
 تیرے دین اوسب سے آرہی ہے بے پناہی  
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پسری

شیاطینِ ملولیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو  
 کہ خود بخود کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنجپیری  
 چہ بے پروا لذت مند از نو اسے بکھاہن  
 کہ بڑواں شور وستی از یہ چشمانِ شمیری



سمجھالو کی بوند اگر تواسے تو حسیر  
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ طلبند  
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے  
 دل آپ اپنے شامِ سحر کے نقشِ شبنم  
 جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار  
 ممکن نہیں کہ ہو وہ خاکِ ارجمند



کھسلا جب چمن میں کتب خانہ گل  
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی  
 متانت شکن تھی ہوا سنے بہاراں  
 غزل خواں ہوا سپر اندرابی  
 کہ لالہ آتشیں پیرہن نے  
 کہ اسرارِ حباں کی چوں میں بے حجابی  
 سمجھتا ہے جو موت خوابِ کدو  
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی  
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا  
 نہیں زندگی مستی و نیم خوابی  
 حیات است در آتش خود تپیدن  
 خوش اس دم کہ این گشتہ باز یابی

گزشتہ دل شرارے بگیری  
تواں کرد زیر فلک آفتابی



آزاد کی رک سخت ہے مانند رک سنگ  
محکوم کی رک نرم ہے مانند رک تاک  
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید  
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربناک  
آزاد کی دولت دل روشن، نفس گرم  
محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک  
محکوم ہے بیگانہ اخلاص و مروت  
چرچند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک  
ممکن نہیں محکوم جو آزاد کا ہمدوش  
وہ بندہ افلاک ہے، یہ خواجہ افلاک



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ  
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجد  
یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعظم نے  
کہ خود سرم ہے چہ سراغ حرم کا پروانہ  
طلسم بے خبری، کاف نری دین اری  
حدیث شیخ و برہمن فنون افسانہ  
نصیب خط ہر یارب وہ بندہ درویش  
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلہم  
چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک  
گھر ہیں اب دل کے تمام یک دانہ





و لگنوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے  
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے  
منہ ختم کی تقویمِ سنِ سردا ہے باطل  
کرے آسماں سے پڑانے ستارے  
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے  
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے  
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے  
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے  
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک  
خضر سوچتا ہے ولہ کے کنارے



۷۴۶  
ایضاحِ مجاز  
۵۲



نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا  
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں  
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی  
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں  
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال  
یہ اہستیاں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں  
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال  
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں  
شکوہ عیسا کا منکر نہیں ہوں میں، لیکن  
قبول حق ہیں فقط مردِ حشر کی تجسیریں  
حکیم سیری نواؤں کا راز لیا جانے  
ورائے عقل ہیں اہل حسنوں کی تدبیریں





چه کافرانه قمار حیات می بازی  
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی  
دلکرم بدرسد هاست سرم نمی بینم  
دل خستید و نگاه غمناکی و رانی  
بحکم مفتی اعظم که فطرت ازلیست  
بدین صحوه حرام است کار شبازی  
همان فقیر ازل گفت خجسته شاپی  
با سها کزوی بازی نه پروازی  
منم که توبه نه کردم ز فتنه اش کوئی  
ز بیم این که سلطان کنند عثماری  
بدست ناز سمرقند و نه بخارا ایست  
و عجب بجز فقیه این بزرگ شیرازی

ضمیر مغرب کے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے اہلبانہ  
 وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ  
 کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب  
 سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر  
 حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خالق ہی  
 انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنابست  
 غلام قوموں کے علم و سفلوں کی ہے یہی مر آشکا  
 زمین اگر تنگ ہے تو کیسے فصاحت کر دوں ہے لہرانہ  
 خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی  
 عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخ گل نے کیسے صیاد کو زلایا  
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا لہراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرح نبیاں کی  
تصویر میرا ہے دل پرخوں کی ہے لالہ  
تقدیر ہے اک نام مکافاتِ عمل کا  
دیتے ہیں یہ سینا م خدا یان ہمسالہ  
سرمایہ کی جواؤں میں ہے غریاں بدن اس کا  
دیتا ہے ہر شہر جس کا امیر مژگوں ووشاہ  
اتیس دنہ رلہ دولت دنیا سے وفا کی  
زم اس کی طبیعت میں ہے مانند غزالہ





خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی  
 حرام آتی ہے اس مردِ خوبا پر زہ پوشی



اے ستمِ بلند اور اے سوزِ بکراور  
 شیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور



غریب شہر ہوں میں، سن تو لے مری فریاد  
 کہ تیرے سینے میں بھی ہیں قیامتیں آباد  
 مری نوائے غم کو دے ہمت، سماع عزیز  
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دلِ ناشاد  
 گھر ہے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے  
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرماو  
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد و لکڑ است  
 خبر بیکر کہ آواز تیشہ و جگر است“

۷۵۲

اصنافِ مہمان

۶۰

✽ صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگھتہ علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاضِ حشریۃ جاہر میں ہے

# سکر جیدی جہدِ اسلم حیدر بادکن کے نام

یوم اقبال کے موقع پر تو شہزادہ حضور نظام کی طرف سے جو صاحبِ عظم  
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توجہ موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا منہاں کہ شکوہ پرویز  
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا  
مجھ سے منہ مایا کہ لے اور شہنشاہی کر  
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبت  
میں تو اس بار امانت کو اٹھانا سر دوش  
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت  
غیرتِ فخر مگر نہ سکی اس کو قبول  
جب کہا اس نے ہے میری خدائی کی زکا!





## حُ سین احمد

عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ  
ز دیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است  
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است  
چہ بے خبر ز مقامِ محنتِ عمری است  
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ است  
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

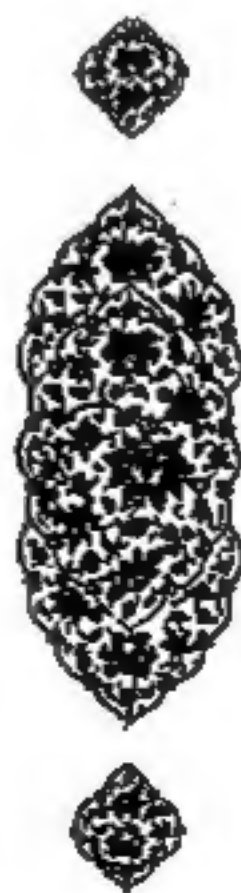
## حضرت انس

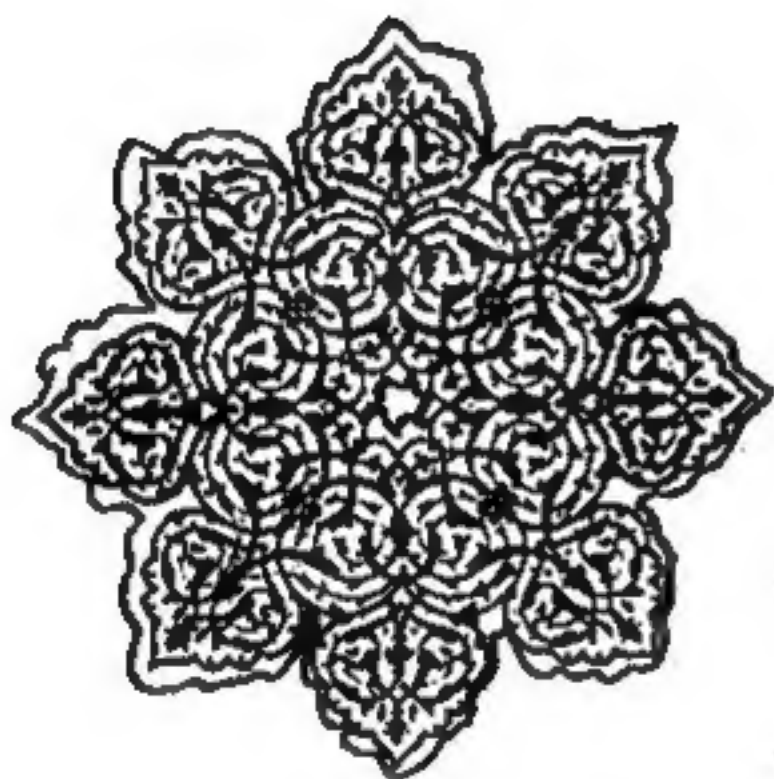
جہاں میں دشن و بیش کی ہے کس درجہ ازرانی  
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی  
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا  
نمایاں ہیں فرشتوں کے متہم ہاتے پنہانی



یہ دنیا دعوت دیدار ہے من زنداوم کو  
 کہ ہر ستور کو بخشا کیا ہے ذوق عسیری  
 یہی من زنداوم ہے کہ جس کے اشک خنجر سے  
 کیا ہے حضرت یزیدؓ نے ریاضِ مطہرانی  
 فلک کے کیا خبیر خالداں کس شمشیر سے  
 غرض انجسم سے ہے کس کے شہستان کی گہلی

اگر مقصودِ گل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے  
 مرے ہنس کا مہ ہاتے تو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶

افغان مجاز

۶۴